سیرۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
قرآن کی روشنی میں
حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ
صدیقی ٹرسٹ
صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی ۲۸۰۰

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْاِیْمَانُ؟ قَالَ
اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَتْکَ سَیِّئَتُکَ
فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟
آپ نے فرمایا جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور
برے کام سے رنج و قلق ہو۔ تو تم مومن ہو۔ (مسند احمد)

فہرست

اِرشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

ترجمہ

حضرت عثمانؓ بن عفان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو وہ جنت میں جائے گا۔

(مسلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

یہ مجموعہ اوراق کوئی مستقل تصنیف نہیں چند تحریروں (خطبوں) کا مجموعہ ہے۔ جو سیرۃ نبوی قرآن مجید کی روشنی میں کے عنوان سے جنوری ۱۹۷۸ء (مطابق صفر ۱۳۹۸ھ) کی آخری تاریخوں میں بفضل اللہ، ڈاکٹر عبدالحق کرنولی مرحوم و مغفور کی فرمائش پر اور ایک مرحوم خاتون کے قائم کئے ہوئے وقف کے ماتحت مدراس جمالیہ کالج کی عمارت میں دئے گئے تھے۔ اور طے یہ تھا کہ انہیں کتابی صورت میں جنوبی ہند کی مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن (مدراس) شائع کرے گی۔

لیکن قضائے الٰہی سے کچھ ہی روز بعد تحریک کے روح رواں ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کی وفات ہو گئی اور ان کی وفات سے جہاں اور بیسیوں چھوٹے بڑے ملی کاموں کو نقصان پہنچا وہیں یہ وعدہ بھی ایفا نہ ہو سکا۔ بلکہ انجمن کے کارکنوں نے ان تحریروں کا مسودہ تک واپس نہ فرمایا۔ اور تقاضے کے خطوط بے اثر ہی رہے۔

مجبوراً اور اس طرف سے مایوس ہو کر طبع و اشاعت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ یہ مجموعہ اوراق ہرگز ایک مکمل سیرۃ نبوی قرآنی نہیں۔ شروع میں خیال یہ تھا کہ کتابی صورت میں لاتے وقت کافی نظر کرکے دو ایک خطبے درخور باب کتاب بڑھا دئے جائیں گے چنانچہ اختتامیہ میں اس کا نیم وعدہ بھی کر لیا گیا تھا۔

تو جب نظرثانی کا وقت آیا تو ہجوم کار نے یا ایک نا اہل کی پست ہمتی نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ اور اب جیسے تھے ویسے ہی شائع ہو رہے ہیں جیسے ۳۴ء میں دئے گئے تھے نظرثانی عبارت پر بھی نا تمام کرلی گئی ہے اور حاشیوں پر معنوی اعتبار سے بھی کچھ اضافے کر دئے گئے ہیں۔ اردو میں ایجاز مولانا عبدالشکور لکھنوی مرحوم و مغفور کے ایک مختصر رسالے کے اپنی نوعیت میں یہ کتاب پہلی ہے۔ اس کا الحمدللہ، انشاءاللہ دیکھئے کس خوش نصیب ہستی کے نصیب میں آئیگا مگر اُن کے سرورق سے پہلے نے تو ادنیٰ تعالیٰ تین سال بعد مجھ بے خبر کو ڈاکٹر شیخ محمد عنایت اللہ ایم اے پی ایچ ڈی (لاہور) کی ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ مصر میں کئی سال کا عرصہ ہوا کہ ایک قرآنی سیرۃ الرسول شائع ہو چکی ہے۔ اب اس کی تلاش شروع ہوئی اور مہینوں کی سرگرم و مسلسل کوشش کے بعد کہیں جا کر یہ دستیاب ہو سکی۔ وہ بھی محض جناب مالک رام ایم اے (سیکرٹری سفارت خانہ ہند) کی توجہ و عنایت سے۔

کتاب مفصل ہے دو جلدوں میں ہے۔ اور صفحات کی مجموعی تعداد سات سو سے اوپر۔ فاضل مصنف کا نام محمد عزت دروزہ ہے۔ جو مصر کے ایک مشہور اہل قلم ہیں۔ ضخامت کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ مصنف نے آیات متعلقہ صرف بقدر ضرورت نہیں، بلکہ پوری پوری نقل کر دی ہیں۔ بہرحال یہ کتاب اگر شروع ہی میں مل گئی ہوتی۔ تو اس سے رہنمائی بہت کچھ حاصل ہو گئی ہوتی۔

زندگی کا اعتبار جوانوں ہی کے لئے کیا ہے۔ چہ جائیکہ ستر سال کی عمر والے کے لئے جو گنتا چاہئے کہ سفر آخرت کے لئے پا بہ رکاب ہی ہے۔ تاہم اگر مشیت الٰہی کو منظور ہوا اور مہلت نصیب ہو گئی تو کئی تعلیقات اور مدنی تنزیلات سے متعلق دو جزوں کے اضافہ کا خیال دماغ سے ابھی نہیں گیا ہے —— باقی خدمت دین و علم کی کتنی حسرتیں ابھی دل میں باقی ہی ہیں۔ ایک نا اہل محض کو خدمت کا اتنا بھی موقع مل گیا یہی بہت غنیمت اور لائق صد شکر ہے۔

عبدالماجد۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

خطبہ (۱)

ظہور کی پیش خبریاں

ظہور مبارک کا واقعہ دنیا کے لئے بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر نہیں پیش آگیا
اہل کتاب یعنی یہود اور نصرانی دونوں ایک موعود کے انتظار میں صدیوں سے چلے
آرہے تھے۔ اور قرآن مجید نے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے تو اس
ظہور مبارک کے لئے دعا صراحت سے نقل کی ہے۔ یہ دعا تنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی
نہ تھی۔ ایک مبارک وقت میں ایک مبارک جگہ دو مقدس بندوں کی زبان سے نکل رہی
تھی۔ دعا میں ابراہیم کے شریک ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل بھی تھے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ۔ (البقرۃ۔ ع ۱۵)

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم اٹھا رہے
تھے دیواریں خانۂ کعبہ کی اور ان کے ساتھ
اسمٰعیل بھی۔

مقام اتنا مقدس کہ خانۂ کعبہ کا فرش۔ وقت اتنا مبارک کہ عین تعمیر خانۂ کعبہ
کا زمانہ۔ اور دعا کرنے والے۔ اللہ کے دو مقبول ترین اور انتہائی برگزیدہ بندے
دعا سب سے پہلے یہی کی کہ ہماری یہ خدمت قبول ہو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ (ایضاً)

اے ہمارے پروردگار ہم سے ہماری یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو تو سب سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض حال میں پہلی گذارش تو یہ تھی کہ ہمیں اور زیادہ توفیق طاعت و زید طاعت ملے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ (ایضاً)

اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنا اور زیادہ فرمانبردار بنالے۔

اور پھر مدعا بعد یہ آئندہ کہ ہماری نسل سے ایک امت مسلمہ ایک فرمانبردار قوم پیدا کر

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ ۔ (ایضاً)

اور ہماری نسل سے ایک امت بھی پیدا کر جو تیری فرمانبردار ہو۔

خیال کرکے سنئے کہ قید ہماری نسل کی لگائی جارہی ہے یعنی وہ نسل ابراہیمی جو حضرت اسمٰعیل کے واسطہ سے ہو۔ قید لگ جانے سے بنی اسحٰق سب نکل گئے اور امت مسلمہ بنی اسمٰعیل میں محدود ہوگئی۔ یہ تو ہوئی امت۔ اور اس کا رسول کون اور کیسا ہو؟ سماعت فرمایئے:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ (ایضاً)

اے ہمارے پروردگار انہیں لوگوں یعنی بنی اسمٰعیل کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیج جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے۔ اور انہیں کتاب الٰہی اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کی اصلاح نفس کرے۔ بیشک غالب اور حکمت والا تو ہی ہے۔

اور پھر اپنے وقت پر جب یہ رسول ظاہر ہو چکا۔ تو اس کا وصف اس کے دوسرے اوصاف کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیا۔ کہ اس کا ظہور مکہ والوں کے درمیان ہوا؛

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ	وہ وہی ہے جس نے ام القریٰ کے رہنے
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ	والوں کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ	کھڑا کر دیا۔ جو انھیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا،
وَالْحِكْمَةَ۔	اور ان کی اصلاح نفس کرتا ہے اور انھیں کتاب
(الجمعہ۔ ع ۱)	(الہیٰ) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ابراہیم و اسمٰعیل کی دعا اس کا ذکر ہو چکا۔ قرآن مجید سے یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ اس ظہور اقدس و مطہر کی پیشین خبریں اگلے آسمانی صحیفوں میں آ چکی ہیں۔ یہ ذکر قرآن نے کہیں تو ضمناً اور بالواسطہ کیا ہے۔ یعنی صرف کتاب کا ذکر کر کے اشارہ کتاب لانے والے کی طرف بھی کر دیا ہے مثلاً

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ	اس کا ذکر یا اس کی خبر اگلے صحیفوں میں بھی
(الشعراء۔ ع ۱۱)	موجود ہے۔

اور کہیں یہ ذکر براہ راست اور مستقلاً کیا ہے۔ اور ایسے موقع پر رسولؐ کے اوصاف امتیازی خصوصی کو بھی گنا دیا ہے۔ مثلاً

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ	جو لوگ پیروی کرتے ہیں۔ اس امی رسول و
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ	نبی کی جس کو یعنی جس کے وصف کو، وہ لکھا
فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم	ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں توریت اور انجیل میں
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ	وہ حکم دیتا ہے انھیں نیک کرداری کا اور روکتا

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ
عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ
وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۔

(الاعراف ع ۲۴)

انھیں جو کردار ی پاکیزہ چیزیں اُن
کے لیے حلال بتاتا ہے اور گندی چیزیں اُن پر
حرام رکھتا ہے اور اُن پر سے بوجھ اتار دیتا
جو اب تک اُن پر لدا آتا ہے ۔

یجدونہ مکتوبا عندھم یعنی اُن رسول کے اوصاف و علامات یہ اہل کتاب اپنے ہاں توریت و انجیل میں درج پاتے ہیں۔ قرآن مجید نے یہ دعویٰ علانیہ کر دیا۔ اور مخاطب اہل کتاب میں سے کسی کو اس سے انکار کی جرأت نہ ہوئی۔ ورنہ جہاں اور ذرا ذرا سی بات پر سرورِ کائنات اور آپ کی دعوت پر کرتے رہتے تھے۔ وہاں ایک اس الزام کا بھی اضافہ کر دیتے کہ توریت و انجیل میں کہاں ایسے رسول کے ظہور کی پیشین گوئی آتی ہے؟

توریت میں جتنے تصرفات و تحریفات اب تک ہو چکے ہیں اور اس کے بعد یہ دعویٰ خود اہل توریت کا بھی باقی نہیں رہا ہے کہ یہ کتاب حرفی لفظی کلام خدا ہے لیکن ان تحریفات کے ہونے کے بعد بھی بعض ٹکڑے اس میں اب بھی باقی رہ گئے ہیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اسرائیلیوں کو خطاب کر کے یہ :-

"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو" (استثنا ۱۸: ۱۵)

"تیرے ہی بھائی" یعنی اسرائیل کے بھائی بنو اسمٰعیل ہی ہیں۔ انھیں کے سوا اور کون ہو سکتے ہیں؟ پھر ان اسمٰعیلیوں میں ایسا نبی جو "میری مانند" یعنی مشابہت حضرت موسیٰ سے رکھنے والا ہو، بجز ہمارے نبی کریم صلعم کے اور کون ہوا ہے؟

اور پھر توریت کے اسی صحیفہ استثنا کی اسی فصل میں دو ہی تین آیتوں کے بعد ہے "

"اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا۔ اچھا کہا۔ میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" (ایضاً ۱۸)

اسرائیل کے بھائیوں یعنی اسمٰعیلیوں کا ذکر اس آیت میں بھی۔ اور تجھ سا یعنی موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھنے والے کی تعیین یہاں بھی۔ اور پھر آخری فقرہ کی تو ترجیح کر اپنا کلام اُن کے منہ میں ڈالوں گا صاف اس کا مرادف کہ اس کا پیام وحی لفظی کا مجموعہ ہوگا اور یہ وحی لفظی کا دعویٰ بجز قرآن مجید کے روئے زمین پر آج کس کتاب اور کس پیام کے لئے ہے؟

توریت کے بعد اب انجیل پر آئیے۔ اس میں ترجمہ اور ترجمہ در ترجمہ کی بنا پر جسے اصطلاح ترمیم اور تبدیلی کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور وہ بھی چھپا کر چھپ کر نہیں بلکہ علانیہ و بتقریب۔ لیکن اس سارے کاروبار کے باوجود اس میں بھی یہ لفظ آج تک لکھے چلے آرہے ہیں۔ یہ حضرت مسیح اسرائیلیوں سے فرما رہے ہیں:-

"یسوع نے اُن سے کہا۔ کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی۔ اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے۔ دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا۔ اس کے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا" (متی ۲۱: ۴۲-۴۴)

* کتاب مقدس کا جو فقرہ یہاں نقل ہوا ہے اور انجیل مرقس ۱۲: ۱۰-۱۱ اور

انجیل لوقا ۲۰: ۱۸ میں بھی درج ہے۔ اصل داؤد نبی کی کتاب زبور کا ۱۱۸: ۲۲-۲۳ کا ہے۔ معماروں یعنی اسرائیلیوں نے جس پتھر کو ہمیشہ رد کیا تھا وہ اسمٰعیلی ہی تھے۔ کونے کے سرے کا جو پتھر ہوا یعنی نبوت جس کو سب سے آخر زمانہ میں ملی وہ بنی اسمٰعیل ہی کا ایک فرد تھا اور یہود و نصاریٰ جو بھی اس سے ٹکرائے، وہ پاش پاش ہو کر رہ گئے یا پس کر رہ گئے۔

توریت اور انجیل میں حوالے اور بھی ملتے ہیں۔ اُن سب کی یہاں سماعت فرمانے کے بجائے انھیں تفسیر ماجدی میں ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائی جائے۔ قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کی زبان سے ایک اور بشارت نبوی کا حوالہ صراحت کے ساتھ دیا ہے۔ اسے ابھی تو بہرحال سنتے چلیے۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ۔

(الصف ۱: ۶)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اسرائیلیو! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا آیا ہوں، تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پیشتر ہے، اور بشارت دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے تو یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

قرآن مجید نے مسیحؑ کی جس پیشین گوئی کی جانب اشارہ کیا ہے، وہ موجودہ محرّف انجیل سے بھی تمامتر محو نہ ہو سکا، بلکہ اس کے حوالے ایک نہیں تین تین جگہ آج تک موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

"میں باپ سے درخواست کروں گا، وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع)

بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔" (یوحنا ۱۴: ۱۶)

"جو ابد تک تمھارے ساتھ رہے" میں صاف اشارہ موجود ہے کہ اس کی شریعت دائمی ہو گی۔ دوسری جگہ ہے :-

"جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔" (یوحنا ۱۵: ۲۶)

اور تیسری مرتبہ :-

"اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) تمھارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصور وار ٹھہرائے گا۔" (یوحنا ۱۶: ۷، ۸)

یہ عبارتیں جو پڑھ کر سنائی گئیں۔ اُردو بائبل کی تھیں اور بائبل کے اُردو مترجمین نے متن میں لفظ "مددگار" اور حاشیہ پر اس کے نسخے "وکیل" اور "شفیع" دئے ہیں۔ اور انگریزی بائبل میں جو پروٹسٹنٹ فرقہ کی ترجمان ہے اس کے لئے لفظ Comforter آیا ہے یعنی تسلی دہندہ اور جو انگریزی بائبل عقیدۂ کیتھولک کے مطابق ہے اس میں ان موقعوں پر لفظ Paraclete درج ہے ہمارے یہاں کے فاضلوں کا بیان ہے کہ جس یونانی لفظ کے ترجمہ میں مسیحی فاضل اس درجہ مضطرب ہیں اور کبھی اس کے لئے "مددگار" لاتے ہیں، کبھی "وکیل"، کبھی "شفیع"، کبھی "تسلی دہندہ" اور کبھی Paraclete وہ دراصل Periclytos ہے جو صحیح ترجمہ لفظ "احمد" (بہ معنی محمود و ستودہ) کا ہے۔

غرض یہ کہ جو توحیدی قومیں آغازِ اسلام کے وقت دنیا میں موجود تھیں۔ اور جو سلسلہ وحی و نبوت کی قائل تھیں۔ اُن کے مقدس نوشتوں میں پیش خبریاں شروع ہی سے ایک مثیلی نبی کی چلی آرہی تھیں۔ جس کی شریعت دائمی ہو گی یعنی وہ سلسلہ انبیاء کا خاتم بھی ہو گا۔

خطبہ (۲)

نام، نسب، وطن، زمانہ

نام اسم مبارک محمد تھا، اور قرآن مجید میں اس کی صراحت چار جگہ آئی ہے، ایک جگہ آنحضرت صلعم کی رسالت اور منصب کا ذکر ہے۔

محمد رسول اللہ (الفتح ع ۴) محمد اللہ کے رسول ہیں۔

دوسری جگہ یہ بتایا ہے کہ قرآن جو سراسر حق ہے نازل ہی محمد پر ہوا ہے

والذین آمنوا وعملوا الصالحات — اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے

وآمنوا بما نزل علی محمد وھو الحق من — اور اس پر ایمان لائے جو محمد پر نازل ہوا

ربھم (محمد ع ۱) — اور وہ برحق ان کے پروردگار کی طرف سے۔

تیسری جگہ اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ آنحضرت صلعم کے قاصد یا رسول ہی ہیں جیسا کہ آپ کے قبل اور بھی رسول آ چکے ہیں۔ کوئی دیوتا یا اوتار یا فوق البشر ہستی نہیں۔

وما محمد الا رسول قد خلت — اور محمد تو بس رسول ہیں۔ ان سے قبل

من قبلہ الرسل (آل عمران ع ۱۵) — اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔

اور اسی آیت میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں۔

افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم	تو اگر ان کی وفات ہو جائے یا انھیں ہلاک کر دیا جائے تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں واپس پلٹ جاؤ گے۔

اور یہیں سے ضمناً اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ بلکہ ہر بشر کی طرح آپ بھی فانی تھے اور آپ پر طبعی وفات کے طاری ہونے یا کسی کے ہاتھ سے ہلاک ہونے، دونوں کا احتمال تھا۔

چوتھی آیت نے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ اس کی بھی خبر دے دی کہ آپ کی اولاد ذکور میں سے کوئی زندہ نہ رہے گا، صاحبزادیوں کی گنجائش البتہ ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم (الاحزاب ع ۵)	محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں۔

اسم محمدؐ کی اس چہارگانہ تصریح کے ساتھ قرآن مجید میں دوسرا نام احمد ملتا ہے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے پیش خبری کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

واذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف ع ۱)	اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اولاد اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے اور بشارت سنانے والا اس رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں ان کا نام احمد ہوگا

حضرت مسیحؑ کی جو انجیل حواری یوحنا کی جانب منسوب ہے۔ اس میں آپ پیش خبری

آج بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ باقی جو انجیلیں خود مسیحیوں کو مقبول و مسلم ہیں،
ان میں سے انجیل یوحنا میں عبارتیں اس قسم کی کھلی ہوئی چلی آتی ہیں :۔

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار یا وکیل یا
شفیع بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (یوحنا ۱۴ : ۱۶)

"جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے باپ کی
طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے،
تو وہ میری گواہی دے گا۔" (یوحنا ۱۵ : ۲۶)

اتنا تو ان میں سے پہلے قول سے ظاہر ہی ہو گیا، کہ جو آنے والا حضرت مسیحؑ کے
بعد آئے گا، وہ خاتم نبوت ہو گا۔ اور اس کی شریعت قیامت تک قائم رہے گی۔
اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ آنے والا کون ہو گا؟ حضرت مسیحؑ کی زبان مبارک
سے نکلا ہوا اصل سریانی لفظ تو اب کہیں دنیائے معلوم میں محفوظ نہیں۔ اب تو ادرد
دار آپ کے سریانی کلام کے صرف یونانی ترجمہ پر ہے۔ تو اس یونانی ترجمہ کا ترجمہ دوسری
زبانوں میں اہل انجیل کہیں تسلی دہندہ Comforter سے کرتے ہیں اور
کہیں مددگار سے Helper اور کہیں وکیل سے اور کہیں شفیع سے
اور اس اضطراب کے مقابلہ میں ہمارے ہاں کے فاضلوں کا بیان جزم کے
ساتھ یہ ہے کہ وہ یونانی لفظ Periclytos ہو اسکا صحیح مفہوم احمد ہی سے ادا
ہوتا ہے اور اسی لیے قرآن مجید نے یہ نام حضرت مسیحؑ کی زبان سے ادا کر دیا ہے
اسم ذاتی بعد محمدؐ کے یہی احمد آیا ہے۔ ان دو کے علاوہ اسمائے صفاتی قرآن مجید
میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً

نذیر۔ بشیر۔ منذر۔ مبشر۔ شاہد۔ داعی الی اللہ۔ سراج منیر۔ مزمل۔ مدثر۔ النبی الامی مذکر۔ رحمۃ للعالمین۔ خاتم النبیین۔

اب چند در چند آیات قرآنی بلحاظ ترتیب سن لیجیے۔ جن میں یہ اسمائے توصیفی وارد ہوئے ہیں۔

انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم (المزمل ع ۱)
بیشک ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک رسول تم پر شاہد (بنا کر)

اسم شاہد کی شہادت اس آیت نے پیش کر دی اور اور شہادتیں بھی ابھی سماعت فرمائیے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا (الفتح ع ۱)
بیشک ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

کہیں کہیں اس سے بھی زیادہ اسماء وصفاتی اکٹھے بیان ہوئے ہیں مثلاً

یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا (الاحزاب ع ۶)
اے نبی بیشک ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد مبشر اور نذیر بنا کر اور اللہ کی طرف داعی اس کے اذن سے۔ اور ایک روشن چراغ۔

اور منذر اور نذیر کی تکرار تو کثرت سے آئی ہے۔ کبھی الگ الگ اور کبھی دوسرے اسماء و صفات کے ساتھ مل جل کر۔ اسم منذر کو لیجیے۔

انما انت منذر و لکل قوم ھاد (رعد ع ۱)
آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک راہبر (رکھا گیا) ہے۔

بل عجبوا ان جاءھم منذر
ان لوگوں کو اس پر اچنبھا ہوا کہ ان کے پاس

منھم ۔ (ق ۔ ع ۱) ایک ڈرانے والا انھیں میں سے آ گیا ۔

انما انت منذر من یخشاھا (النازعات ع ۲) آپ تو بس ڈرانے والے ہیں اسے جو اس سے خوف رکھتا ہے ۔

اب نذیر والی آیتیں سنئے ۔ علاوہ ان دو آیتوں کے جو ابھی آپ سن چکے ہیں

انا ارسلناک بالحق بشیرًا ونذیرًا (البقرہ ع ۱۴) بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ۔ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر ۔

اور اسی کے علاوہ سورۂ فاطر ع ۳ کی ایک آیت میں بھی یہ آیا ہے ۔ کہیں کہیں یہی مضمون صیغۂ حصر کے ساتھ وارد ہوا ۔

وما ارسلناک الا مبشرا و نذیرًا (بنی اسرائیل ع ۱۲) اور ہم نے آپ کو تمام تر ایک خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔

اور یہی الفاظ سورہ الفرقان ع ۵ کی ایک آیت میں وارد ہوئے ہیں ۔

اسی طرح ایک جگہ اور ہے ۔

انما انت نذیر (ہود ع ۲) آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں ۔

پھر ایک جگہ اور صیغۂ غائب میں ۔

ان ھو الا نذیر مبین (الاعراف ع ۲۳) یہ تو تمام تر ایک کھلے ہوئے ڈرانے والے ہیں ۔

ایک جگہ اہل کتاب سے خطاب خصوصی میں ارشاد ہوا ہے ۔

یا اہل الکتاب قد جاءکم رسولنا اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول

يبين لكم على فترة من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشير ولا نذير فقد جاءكم بشير ونذير (المائدہ ع ۳)

آپ پہنچے ہیں جو تم سے کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے وقت میں جب رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آئے سو تمہارے پاس تو بشیر و نذیر آ گیا۔

کہیں کہیں یہ الفاظ صیغۂ متکلم میں خود رسول کریم کی زبان سے ادا کر دیئے گئے ہیں۔

ان انا الا نذير وبشير لقوم يؤمنون ـ (اعراف ع ۲۳)

میں تو محض ایک بشیر و نذیر ہوں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

قل انی انا النذير المبين (الحجر ع ۶)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ایک کھلا ڈرانے والا ہوں۔

انی لکم منه نذير وبشير (ہود ع ۱)

بیشک میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے نذیر و بشیر ہوں۔

اور سورۂ والذاریات ع ۳ میں پاس ہی پاس دو جگہ ان الفاظ کو رسول کریم کی زبان سے دہرایا گیا ہے۔

اور کہیں ان خطابات کے حدود مخاطبین کے دائرہ میں ساری دنیا کو لے آیا گیا ہے۔

وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا (سبا ع ۳)

اور ہم نے تو بس آپ کو بشیر و نذیر بنا کر سارے ہی انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔

نذیر کا لفظ ان سب موقعوں کے علاوہ بھی دو ایک جگہ آنحضور کے لئے آیا ہے۔ لیکن وہاں دلالت اتنی صریح و واضح نہیں۔

ابھی ابھی آپ نے سنا کہ حضورؐ کی بعثت کافۃ للناس تھی یعنی ساری نسل انسانی کے لئے اور ملک عرب کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں۔ اس عموم بعثت کی تائید و تقویت سورۃ الفرقان کی بھی ایک آیت سے ہوتی ہے۔ جہاں فرمایا گیا ہے کہ قرآن اسی بندۂ خاص پر اس لئے نازل کیا گیا کہ

لیکون للعالمین نذیراً — تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے سارے عالم کا ڈرانے والا ہو۔

(الفرقان ع ۱)

نام شاہد کے کلی اطلاق ذات نبوی کے لئے چند منٹ قبل آپ کی سماعت میں آ چکے ہیں۔ اور شاہد کے معنی عام طور پر گواہ سمجھے گئے ہیں۔ لیکن اس لفظ کا استعمال زبان عربیہ میں غائب کے مقابل کی حیثیت سے بھی برابر ہوتا ہے۔ اس لئے بیجا نہ ہوگا اگر شاہد کو حاضر کے مرادف سمجھا جائے۔ اور کم سے کم دو آیتیں قرآن مجید میں ایسی ہیں۔ جہاں وثوق سے اشارہ رسول اللہ صلعم ہی کی جانب بعض اکابر تفسیر نے خیال کیا ہے۔ ان میں سے ایک آیت سورہ ہود کے رکوع ۲ میں ہے۔

ویتلوہ شاہد منہ — اور قرآن کے ساتھ اس میں ایک گواہ بھی ہو

اور دوسری سورہ البروج کے شروع میں ہے۔

وشاہد ومشہود — اور شاہد اور مشہود۔

اس دوسری آیت میں اشارہ ذات نبوی کی طرف ایک قول کے مطابق شاہد سے ہے، اور دوسرے قول کے مطابق مشہود سے۔

یہ سارے نام ایسے ہوئے۔ جو صراحۃً یا دلالۃً رسولؐ کی مستقل صفات سے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ دو جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ رسولؐ پر کوئی وقتی کیفیت

نازل ہوئی اور قرآن نے پہلی بار اسی وقتی صفت سے آپ کو مخاطب کر دیا۔ چنانچہ
نزول وحی کے ابتدائی زمانے میں جب برادری والوں نے شرارت سے انکار و
بشمول آپ کے دعویٰ نبوت پر شروع کیا تو ایک روز آپ ان حالات سے
متاثر ہو کر خاطر چادر میں لپٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ تو قرآن نے ٹھیک اسی حالت
کے ساتھ آپ کو مخاطب کیا۔ اور کہا۔

یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (المزمل ع ۱) اے چادر میں لپٹنے والے۔

اور پھر اسی طرح جب پھر ایک روز وحی کے تسلسل میں وقفہ پڑ گیا۔ اور آپ
فکرمند اور رنجیدہ لیٹے ہوئے تھے۔ تو قرآن مجید نے آپ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا

یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ (المدثر ع ۱) اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔

یہ سارے اسماء و صفات تو وہ ہوئے جن میں سے ہر ایک بجنسہٖ قرآن مجید میں
آچکا ہے۔ باقی کچھ اور نام ایسے ہیں۔ جو براہ راست تو وارد نہیں ہوئے ہیں۔
لیکن قرآن مجید کی عبارتوں سے ماخوذ و مستنبط کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً
مصطفیٰ۔ مجتبیٰ۔ مشفع۔ صادق۔ امین۔ مبلغ۔ معلم۔ مزکی۔ مرسل وغیرہا
اور ان سب کے علاوہ دو اسماء۔ ایک نبی اور ایک رسول کا اطلاق
اس کثرت سے حضرت کی ذات پر ہوا ہے کہ ان کا شمار کرنا بھی آسان نہیں ہے
اس سلسلے میں ایک اور لفظ کا ذکر ضروری ہے۔ جو اپنے لغوی مفہوم کے
لحاظ سے تو عام ہے لیکن رسول اللہ کی تکریم و تشریف خصوصی کے موقع پر اس
تکرار سے آیا ہے کہ اگر اسے آپ کا ایک لقب خصوصی قرار دیا جائے تو کچھ بیجا
نہیں۔ وہ لفظ ہے "عبد"۔ خصوصیت و یگانگت کے موقع پر آپ کی جانب اشارہ

اسی کلمہ سے کیا گیا اور نمایاں آپ کے وصف عبدیت کو کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے شروع ہی میں۔ جہاں منکروں اور معاندوں سے تحدی کے ساتھ کہا ہے کہ اگر سارا قرآن نہیں بنا سکتے ہو، تو ایک سورت ہی اس کی سی پیش کر دکھاؤ۔ وہاں بجائے رسول یا نبی کے کلام اسی لفظ عبد سے لیا گیا ہے۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہٖ (البقرۃ ع ۳) — اور اگر تمہیں اس کلام کے باب میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے، تو اس کی سی ایک سورۃ تم خود بنا لاؤ۔

اسی طرح جہاں مسجد اقصیٰ کے سفر معراج کا ذکر ہے۔ وہاں بھی یہی لفظ آیا ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ (بنی اسرائیل ع ۱) — پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک

اسی طرح جہاں سیر آسمانی سے سرفرازی و تقرب خصوصی کا ذکر ہے وہاں بھی تصرف اسی لفظ کا ہوا ہے۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ (النجم ع ۱) — پھر اللہ نے وحی کی اپنے بندہ پر جو کچھ کہ وحی کی۔

ایک جگہ یہ مذکور ہے، کہ کافر مدانہ عبد کامل کی نماز و عبادت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ وہاں ارشاد ہوا ہے۔

ارایت الذی ینھیٰ عبداً اذا صلیٰ۔ (علق ۱) — تو نے اس شخص کے حال پر نظر کی جو روکتا ہے جب بندہ نماز پڑھتا ہے۔

اور ایک جگہ ایسے ہی موقع پر بجائے مطلق عبد کے لفظ عبداللہ آیا ہے۔
سیاق یہ ہے کہ رسول جب عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو مشرکین معاندین
آپ پر ہجوم کر کے چڑھ آتے ہیں۔ تو وہاں کام اسی اہم توصیفی عبداللہ سے لیا گیا ہے

وانه لما قام عبد الله يدعوه	اور جب اللہ کا بندہ (خاص) کھڑا ہوتا ہے
كادوا يكونون عليه لبدا	کہ اس کی عبادت کرے تو یہ لوگ اس پر ہجوم
(الجن ع ۱)	کر آنے کو ہوتے ہیں۔

نزول قرآن کی عظیم ترین نعمت کے سیاق میں ذکر بار بار عبد یعنی اسی عبد کامل
کا آتا ہے۔ جن والی آیت ابھی آپ سن چکے۔ اب تین آیتیں اور اس سلسلہ
کی سماعت میں لائی جائیں۔ پہلی آیت۔

الحمد لله الذي انزل على	ساری تعریف ہے اس اللہ کے لئے جس نے
عبده الكتاب (الكهف - ع ۱)	کتاب اپنے بندہ پر اتاری۔

دوسری آیت۔

تبارك الذي نزل الفرقان	بابرکت ہے وہ ذات جس نے فرقان اپنے
على عبده (الفرقان - ع ۱)	بندہ پر نازل فرمایا۔

اور تیسری آیت۔

هو الذي ينزل على عبده	وہ اللہ ہی ہے جو صاف صاف آیتیں اتارتا
آيات بينات ليخرجكم من الظلمات	ہے اپنے بندہ پر تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے
الى النور (الحديد ع ۱)	نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

کہیں اس نزول کا تعلق بجائے کلام کے فتح غیبی و نصرت خصوصی پر ہوا ہے

یہ اسم مصیطر کے مقابلہ میں آیا ہے۔ اور مصیطر کے معنی ہیں مسلط۔ یا نذیر احمد کی زبان میں داروغہ کے۔

دو وصف قرآن مجید نے اور آپ کے ایسے بیان کئے ہیں۔ جن سے دو اسمائے توصیفی پیدا ہو گئے۔ ایک کا تعلق وصف رحمت عالم سے ہے۔

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (الانبیاء ع ۷)
اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر سب جہانوں کے حق میں۔

اور دوسرا وصف ختم نبوت کا ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب ع ۵)
محمد تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر۔

دو لفظ قرآن مجید میں اور بھی آئے ہیں۔ ایک نور دوسرے برہان۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان کا تعلق ذات قرآن ہی سے ہے۔ چنانچہ ایک یہ ہو۔

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین (المائدہ ع ۳)
بے شک اللہ کے ہاں سے تمہارے پاس آ چکا ہے نور اور کتاب واضح۔

اور دوسری آیت ہے۔

یا ایہا الناس قد جاءکم برہان من ربکم (النساء ع ۲۴)
اے لوگو تمہارے پاس برہان پہنچ چکا ہے تمہارے پروردگار کے پاس سے۔

لیکن مفسرین کا ایک گروہ ادھر بھی گیا ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد ذات نبوی ہے۔ گو یا دلالت ہے تو یہی مگر بہت خفی قسم کی۔

اور اس لفظ برہان سے ظاہر ہوا ایک اور لفظ بینۃ بھی آپ کی شان میں آیا گیا ہے۔ مثلاً اس آیت میں۔

حتی تاتیھم البینۃ — جب تک کہ ایک واضح دلیل ان کے پاس نہ آ گئی۔ (بینہ)

نسب نام نامی اور اسمائے توصیفی پر گفتگو ہو چکی۔ ہر سیرت میں نام کے بعد ہی نسب کا عنوان چلتا ہوتا ہے۔

پہلی روشنی نسب مبارک کے سلسلہ میں قرآن مجید سے یہ پڑتی ہے کہ آپ یتیم تھے۔

الم یجدک یتیماً فآوی — کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا۔ پھر اس نے (آپ کو) ٹھکانہ دیا۔ (الضحیٰ)

یتیم اس کو کہتے ہیں۔ جس کے باپ کا انتقال اس کے بلوغ سے قبل ہی ہو جائے اور قبل بلوغ شامل ہے۔ قبل ولادت کو اور تاریخ کا بیان ہے کہ آپ کے والد ماجد کی وفات آپ کی پیدائش سے بھی قبل ہو گئی تھی۔

پھر قرآن ہی کے لفظ فآوی سے یہ بھی نکلتا ہے کہ یتیمی کے باعث آپ بے گھر ہو گئے تھے اور عرب جاہلیت میں یوں بھی یتیم کی زندگی ہمہ وقتی کلفت ہی کی زندگی ہوتی تھی، لیکن حکمت الٰہی نے دوسرے انتظامات آپ کی ولایت و ربوبیت کے کر دئیے تھے۔ جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے پہلے دادا عبدالمطلب اور پھر چچا ابو طالب کے ذریعہ سے۔

آپ کا نسل ابراہیمی سے ہونا قرآن مجید سے ظاہر ہے۔ بلکہ آپ تو ثمرہ

ہی تھے۔ یعنی دعائے ابراہیمی کا۔

ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک	اے ہمارے پروردگار ہماری اولاد میں سے
.... ربنا وابعث فیھم رسولا	ایک ایسی امت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو
منھم یتلوا علیھم آیاتک ویعلمھم	.... اور اے ہمارے پروردگار اس امت کے
الکتاب والحکمۃ ویزکیھم۔	اندر انہیں میں سے ایک پیغمبر بھی پیدا کرنا جو
(البقرہ ع ۱۵)	ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ان کو
	کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہو اور ان کو پاک کرے

اور جس موقع کی یہ دعا ہے وہاں قرآن ہی کے حسب صراحت حضرت اسمٰعیل بھی حضرت ابراہیم کے شریک تھے واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل۔ اس لئے ظاہر ہو گیا کہ یہ نسل ابراہیمی کی شاخ اسمٰعیل سے تھے کسی اور شاخ سے نہیں۔

یہ آیتیں نسب کے باب میں صریح ہیں۔ اور ان سے جو استنباط ہو سکتا ہے وہ بھی لازمی طور پر صحیح ہی ہے۔ باقی قاضی عیاض مالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے اپنی معروف کتاب الشفا فی حقوق المصطفےٰ میں دو اور آیتوں اور ان سے اس سلسلہ میں استدلال کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک سورۃ التوبہ کے ختم کی آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم ہے اس کی ایک قرات بجائے انفسکم (ضمہ فا کے) انفسکم (فتح الفاء) سے ہے تو اس سے استدلال یہ ہوا کہ آپ کا ظہور نفیس ترین و شریف ترین انسانوں میں ہوا ہے۔ دوسری آیت سورۃ الشعراء کے آخری رکوع کی ہے الذی یراک حین تقوم وتقلبک

فی المساجد ہیں۔ اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے۔ کہ اللہ نے آپ کو عبادت گزاروں یا پارساؤں ہی کے صلبوں پشتوں سے نکالا ہے اور اس طرح یہ دو آیتیں بھی تھوڑے سے تکلف کے بعد۔ بعض اہل علم کے مذاق کے مطابق آپ کی شرافت نسب اور والا دودمانی پر گواہ بنائی جا سکتی ہیں۔

وطن جس سرزمین پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جگر گوشہ حضرت اسمٰعیل کو لا بسایا تھا وہ اس وقت تک خشک و بے آب و گیاہ تھی بیت اللہ کے پڑوس میں۔ اور حضرت کی دعا یہ تھی کہ دینداری اور خدا پرستی کے چرچے کے علاوہ اس بستی والوں کو میوے یا پھل بھی بہم پہونچتے رہیں۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی	اے ہمارے پروردگار میں نے بسا دیا اپنی
بواد غیر ذی زرع عند بیتک	بعض اولاد کو ایک بے کھیتی والے ارض کوہ
المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ	میں تیرے محترم گھر کے قریب ہی اے ہمارے
فاجعل افئدۃ من الناس تھوی	پروردگار تاکہ وہ قائم کریں نماز کو پس تو
الیھم وارزقھم من الثمرات	کچھ لوگوں کے دل انکی طرف لگائے اور ان کو
لعلھم یشکرون (ابراہیم ع ۶)	پھلوں کا رزق دے تاکہ وہ لوگ شکر گزار ہوں

اسی شہر سے متعلق حضرت ابراہیم کی دعا ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔

رب اجعل ھذا بلدا آمنا	اے میرے پروردگار اس کو بنادے ایک شہر
وارزق اھلہ من الثمرات	امن والا اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں
(البقرۃ ع ۱۵)	میں سے بھی عنایت کر۔

رسول اللہ کی پیدائش اسی بستی میں ہوئی۔ جو خشک و بے گیاہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں نہیں۔ صدیوں بعد تک رہی۔ لیکن اس کے باوجود شاید اسی دعائے ابراہیمی کی برکت سے میووں اور پھلوں سے محروم پہلے بھی نہ رہی، اور اب تو ایک حد تک خود ہی شاداب و گلزار بن گئی ہے۔ رہی اس شہر کی مامونیت یا اس کا پرامن ہونا۔ تو اس کی حرمت تو دور جاہلیت کو بھی ملحوظ رہی ہے اور شریعت اسلامی نے اس شہر کو حرم قرار دیکر اس کے اندر جانوروں کا شکار تک ممنوع کر دیا ہے۔ قرآن مجید نے اس کے اس پہلو کو نمایاں کر کے اسے البلد الامین اور البلد الحرام جیسے القاب سے بار بار یاد کیا ہے۔
شہر کا قدیم نام بکہ ہے اور خدائے پاک کی پہلی پرستش گاہ ہونے کا شرف و امتیاز اسی کو حاصل ہے۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین (آل عمران ۱۰)

بیشک جو سب سے پہلا گھر لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ وہ ہے جو بکہ میں ہے بابرکت اور سارے عالم کے لیے ہدایت۔

اس شہر کا نام بعد کو مکہ پڑا۔ اور اب مزید تعارف سے بے نیاز اس کا شمار دنیا کے معروف ترین شہروں میں ہے۔ ام القری۔ البلد الامین اور البلد الحرام اس کے قرآنی مترادفات ہیں۔
حجاز کے ایک دوسرے شہر کا بھی ذکر قرآن مجید میں یثرب اور مدینہ دو ناموں سے آیا ہے یہاں رسول اللہ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور ہجرت کا ذکر اور اس کے احکام قرآن مجید میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ معاندین سے

غزوات و محاربات یہاں کے زمانۂ قیام میں برابر جاری رہے اور ان کا تذکرہ قرآن مجید میں بسط و تفصیل سے موجود ہے۔ یہ تذکرے تو کبھی حسب موقع آتے رہیں گے۔ یہاں شہر کے سلسلہ میں صرف اتنی بات سن لینے کی ہے کہ یہاں کی آبادی کا ایک خاصہ بڑا حصہ غیر مخلص رعایا پر شامل تھا جو بظاہر اسلامی اسٹیٹ کے ہوا خواہ و فرمانبردار تھے، لیکن درحقیقت غیر وفادار بلکہ باغی تھے۔ اور دشمنان حکومت اسلامی سے میل کئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ مخلص و وفادار رعایا کے لئے اسلام کے خلاف طرح طرح کی افواہوں سے ایک سرد جنگ رکھے ہوئے تھے۔ اس پر قرآن مجید نے صاف صاف کہہ دیا۔

لئن لم ینتہ المنافقون	اگر منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں روگ
والذین فی قلوبھم مرض و	ہے اور مدینہ میں بری خبریں اڑانے والے
المرجفون فی المدینۃ لنغرینک	باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے
بھم ثم لا یجاورونک فیھا	پھر وہ نہ رہ سکیں گے مدینہ میں آپ کے
الا قلیلا (الاحزاب ع ۸)	پڑوس میں مگر یہ کہ تھوڑے سے دن

یہ گویا صاف اعلان خداوندی تھا کہ کچھ ہی روز بعد رسول اللہ صلعم کو مدینہ پر پوری طرح دسترس حاصل ہو جائیں گی۔ اور آپ کا قیام یہیں رہے گا۔ اس بیان سے ایک فاضل معاصر نے یہ نکتہ بھی خوب پیدا کیا ہے کہ جب آپ کا قیام یہیں آخر تک رہے گا۔ تو وفات بھی یہیں ہوگی۔ اور مدفن شریف بھی یہی شہر ہوگا۔

سنہ و تاریخ کی بحث میں پڑے! قرآنی اسلوب بیان کے منافی ہے لیکن

زمانہ آئیے ہم اور آپ مل کر دیکھیں۔ شاید کچھ روشنی حضور کے زمانہ بعثت پر بھی آیات قرآنی سے پڑ جائے۔

پہلی بات تو خوب روشن ہے کہ آپ کا عہد نزول توریت ہی کے نہیں۔ نزول انجیل کے بھی بعد کا ہے۔

النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل۔ (الاعراف ع ۱۹)
وہ نبی امی جس کو یہ اپنے یہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

آپ تو آپ۔ آپ کے رفیقوں صحابیوں تک کے اوصاف توریت اور انجیل دونوں میں موجود ہیں۔

ذالک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل (الفتح ع ۴)
یہ ہے بیان ان کا توریت میں اور یہ ہے ان کا بیان انجیل میں۔

پھر قرآن مجید نے قبل کے پیمبروں میں ذکر سب سے آخری پیمبر حضرت عیسیٰ کا کیا ہے، اس کے یہ معنی تو کھلے ہوئے ہیں کہ آپ کا زمانہ حضرت عیسیٰ کے بعد کا ہے۔ بلکہ تصریح یہاں تک ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد آپ کی آمد کی خوشخبری سنا گئے ہیں۔

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف ع ۱)
میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔

اس کے بعد یہ تصریح بھی قرآن مجید ہی میں ملتی ہے کہ آپ عہد عیسیٰ

سے متصل نہیں بلکہ ایک لمبے وقفہ کے بعد دنیا میں تشریف لائے۔

یا اہل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم علیٰ فترۃ من الرسل۔ (المائدہ ع ۳)	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آگئے ہیں دور فترہ کے بعد جو تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں۔

فترہ سے مراد اصطلاح میں وہ مدت ہوتی ہے۔ جب کسی نبی کا زمانہ نہیں آتا گویا حضرت عیسیٰ کے دور نبوت کو ختم ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا جب ہمارے رسولؐ کا ظہور ہوا۔

اس سے آگے بڑھئے۔ تو سورۂ قریش سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب قریش کی سرداری معاصر عرب قبیلوں کو مسلّم ہو چکی تھی۔ بلکہ قریش کی بین الاقوامی اہمیت ہمسایہ ملکوں میں مانی جا چکی تھی۔ اور تجارتی قافلے شمال و مغرب اور جنوب و مشرق کی جانب قریش ہی کے پروانۂ راہداری کے ساتھ آمد و رفت رکھنے لگے تھے۔ تاریخی اعتبار سے یہ وہ زمانہ ہے جب سنہ مسیحی کو رائج ہوئے ایک مدت ہو چکی تھی تحقیق کا ایک قدم اور آگے بڑھائیے تو نظر آئے گا کہ اب زمانۂ نبوت محمدی کی تعیین کے ہم بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔ سورۂ قریش کے قبل اور اس سے متصل قرآن مجید میں سورۂ فیل ہے۔ جس میں خانۂ کعبہ پر ابرہہ سردار حکومت حبشہ کی لشکر کشی کا بیان ہے۔ اور یہ مشہور واقعہ تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ ۵۷۰ء میں پیش آیا تھا مورخوں کا بیان ہے اور خود سیاق قرآنی بھی یہی چاہتا ہے کہ ولادت محمدی بس اس کے چند ہی روز بعد واقع ہوئی ہو۔

غرض آپ کے زمانۂ ولادت کا پتا تو قرآن مجید کی روشنی میں یوں کچھ نہ کچھ

لگ ہی گیا۔ اب رہا سوال زمانۂ بعثت و نبوت کا تو قرآن مجید ہی سے ایک عام قاعدہ انسان کے لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قویٰ (اور یہاں قوائے عقلی و اخلاقی ہی مراد ہیں) کی تکمیل ۴۰ سال کے سن میں ہوتی ہے۔

فلما بلغ اشدہ و بلغ اربعین سنۃ (الاحقاف ع ۲) — اور انسان جب اپنی پوری قوت کو پہنچا۔ اور ۴۰ سال کا ہوا۔

اور جب یہ مقدمہ مسلّم ہے کہ نبوت رشد کی طرف سے بشر کے لئے سب سے بڑی امانت اور سب سے بڑا امتیازی منصب ہے۔ تو یقیناً ۴۰ ہی سال کے سن میں آپ کو اس مرتبہ سے سرفراز کیا گیا ہوگا۔ مسیحی جنتری کے حساب سے یہ سنہ آکر ۶۱۰ء ٹھہرتا ہے اور اسی قیاسی و ظنی نتیجہ کی تصدیق و تائید روایات حدیث و سیرت سے ہوتی ہے۔

سوانح کے سلسلے میں آخری عنوان زمانۂ وفات کا آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کتاب آپ کی زندگی ہی میں آپ پر نازل ہوتی رہی۔ اس میں آپ کے زمانہ وفات کا ذکر کیونکر آسکتا تھا۔ تاہم تقریبی زمانۂ وفات پر تو کچھ روشنی قرآن مجید سے پڑہی جاتی ہے۔

سورۃ النصر جس میں اسلام کے پھیلنے اور لوگوں کے جوق در جوق ایمان لانے کی صاف بشارت موجود ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی آخری مکمل سورت ہے۔ اور اس کا زمانہ نزول اخیر سنہ ہجری ہے۔ اسی طرح سورۃ المائدۃ کی یہ آیت

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم — میں نے آج تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنا انعام پورا کر دیا۔ اور

الاسلام دیناً (المائدہ ع ۱) تمہارے لئے یہ طور دین اسلام کو پسند کر لیا
روایتوں میں آتا ہے کہ ذی الحجہ ۱۰ھ میں نازل ہوئی تھی۔ ان تصریحات
سے قُرب زمانۂ وفات رسولؐ صاف نکل آتا ہے۔ اور یہ جو تاریخ سے ثابت ہے
کہ وفات نبوی ربیع الاول ۱۱ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ یہ قرآنی اشاروں
سے بھی ایک بالکل لگتی ہوئی بات ہے۔

خطبہ (۳)

فضائل، خصائص، مشاغل

قرآن مجید سے جہاں ایک طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفےٰ صلعم کوئی فوق البشر یا فرشتہ وغیرہ نہ تھے بلکہ محض بشر تھے، جیسے دنیا میں بشر ہوا کرتے ہیں اور خود آپ کی زبان سے دو دو بار کہلا یا گیا ہے کہ

قل انما انا بشر مثلکم — آپ کہہ دیجئے کہ میں تو محض ایک بشر ہوں تم ہی جیسا۔

ایک بار سورۃ الکہف کے رکوع ۱۲ میں اور دوسری بار سورۃ حم السجدہ کے رکوع اول میں۔ اور یہ بھی کہ آپ کوئی انوکھے پیغمبر ہو کر دنیا میں نہیں آئے تھے بلکہ آپ سے پیشتر بہت سے انبیاء و مرسلین آ چکے تھے۔ اور آپ بس انھیں میں کے ایک فرد تھے۔

انک لمن المرسلین (البقرۃ ع ۳۳) — بیشک آپ منجملہ پیغمبروں میں سے ایک آپ ہیں۔

قل انما انا من المنذرین — آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس ڈرانے والوں

(النحل ع ۶) | میں سے ہوں۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل (آل عمران ع ۱۵)
محمد بجز اس کے کچھ نہیں کہ ایک رسول ہیں اور ان کے قبل بہت سے رسول گزر ہی چکے ہیں

اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم ان انذر الناس و بشر الذین آمنوا (یونس ع ۱)
کیا لوگوں کو اس بات پر حیرت ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک آدمی پر وحی بھیجدی کہ لوگوں کو ڈرائے بھی (عذاب سے) اور مومنوں کو خوشخبری بھی پہنچائے۔

اور خود آپ کی زبان سے یہ کہلا یا گیا۔

قل ما کنت بدعا من الرسل (الاحقاف ع ۱)
آپ کہہ دیجئے کہ رسولوں میں میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں۔

اور ساتھ ہی آپ کی بے اختیاری بھی ان الفاظ میں کہلا دی گئی۔

وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (الاحقاف ع ۱)
میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ کیا معاملہ میرے ساتھ پیش آئے گا اور کیا تمہارے ساتھ۔

بلکہ یہاں تک بھی کہ

قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ما شاء اللہ (یونس ع ۵)
آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے تو کسی ضرر اور کسی نفع کا اختیار ہی نہیں رکھتا مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔

اور آیت کا یہی ٹکڑا ایک برائے نام لفظی اختلاف کے ساتھ سورہ اعراف رکوع ۲۳ میں بھی ملتا ہے۔

اور وقت قیامت کے علم کی بھی نفی آپ کی ذات سے کرائی گئی ہو باوجود اس کے کہ وقوع قیامت کا ذکر بڑی شدت کے ساتھ آپ کی زبان سے سنایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا قل انما علمھا عند ربی لا یجلیھا لوقتھا الا ھو (الاعراف ع ۲۳)	یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب واقع ہوگی۔ آپ کہدیجئے کہ اسکا علم صرف میرے پروردگار ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر سوا اللہ کے کوئی اسکو ظاہر نہ کریگا

بلکہ آپ کی غیب دانی اور آپ کی مالکیت خزائن الٰہی اور آپ کی ملکیت اور ... کی نفی پر تصریح آپ کی زبان سے کرا دی گئی۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحیٰ الی (الانعام ع ۵)	آپ کہدیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ (کی سرکار) کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو بس اسی حکم پر چلتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ دنیوی علوم و معارف سے بھی یکسر آپ کی ناشناسی ظاہر کر دی گئی حالانکہ جس عہد میں آپ کا ظہور ہوا تھا اس وقت تک بابل، مصر، چین، ایران، ہندوستان، یونان، روم، سب کہیں علوم و فنون خوب اپنا زور دکھلا چکے تھے اور بڑے بڑے شاعر اور ادیب، مورخ اور مہندس، حکیم اور فلسفی، کرۂ ارض کے طول و عرض میں اپنا نام پیدا کر چکے تھے۔ اور علوم و فنون الگ رہے، قرآن مجید

نے تو آپ کی اُمیت یا حرف ناشناسی کی بھی صاف صریح گواہی دی ہے۔

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک (عنکبوت ع ۵) — اور اس قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ تو کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے۔

اور پھر کہا ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم (الجمعہ ع ۱) — وہ اللہ وہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان انھیں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔

اور پھر سورۃ الاعراف میں قریب ہی دو دو جگہ آپ کے نبی امی ہونے کا اعلان اسی طرح ہے کہ گویا النبی الامی آپ کا عَلَم ہے۔

رکوع ۱۸ میں ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی — جو لوگ پیروی کرتے ہیں رسول نبی امی کی۔

اور دوسری جگہ رکوع ۱۹ میں ہے۔

فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی۔ — بس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی پر

اور ساتھ ہی ساتھ جا بجا تنبیہیں بھی ہیں، جیسی کہ خالق ہی محبوب ترین و کرم ترین مخلوق سے ہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ موقع جہاد پر بعض صحابیوں کے پیچھے رہ جانے کے سیاق میں ہے۔

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم — اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے انھیں کیوں

حتیٰ یتبین لک الذین صدقوا (التوبہ ع ۷) — اجازت دے دی؟ آپ کو رکنا تھا جب تک ان لوگوں کا سچا ہونا آپ کو معلوم ہو جاتا۔

اسی طرح ایک واقعہ خیانت کے سلسلہ میں۔

ولا تکن للخائنین خصیما واستغفروا اللّٰہ (النساء ع ۱۶) — اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں اور اللہ سے استغفار کریں۔

اور اسی کے بعد۔

ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم (ایضاً) — آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کیجئے جو اپنی جانوں میں خیانت کرتے ہیں۔

یا ایک مرتبہ جنگ کے قیدیوں کے باب میں۔

ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض (الانفال ع ۹) — نبی کی شان کے لائق نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی باقی رہتے جب تک کہ وہ اچھی زمین پر اچھی طرح خونریزی نہ کر لیتے۔

یا بعض مشرکوں کے لئے استغفار کے سلسلہ میں۔

ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم (التوبہ ع ۱۴) — نبی اور مومنین کے لئے مناسب نہ تھا کہ وہ مشرکوں کی مغفرت کی دعا کرتے خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ رہے ہوں، جبکہ ان پر ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ لوگ دوزخی ہیں۔

یا پھر اسی طرح ایک محبوب و مقبول صحابی حضرت زید کی مطلقہ بیوی کے بیان میں۔

وتخفی فی نفسک ما اللہ مُبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ (الاحزاب ع ۵)

اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور آپ لوگوں کی طرف سے اندیشہ کر رہے تھے اور آپ کو اللہ ہی اسکا زیادہ سزاوار ہے کہ آپ اس سے ڈریں

یا ایک اور سلسلہ میں جبکہ آپ نے ایک نابینا صحابی پر توجہ کرنے کے بجائے فوری توجہ اشرافِ قریش کی طرف کر دی تھی جن پر آپ تبلیغ دین کر رہے تھے۔

عبس وتولّٰی ان جاءہ الاعمٰی وما یدریک لعلہ یزکّٰی۔ (عبس)

پیغمبر چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا اس بات پر کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور ہی جاتا۔

تو یہ چند مقامات تھے۔ جہاں کہا جا سکتا ہے کہ آپ کو ۲۳ سال کی نہایت درجہ مصروف و مشغول پیغمبرانہ زندگی میں تنبیہات بھی ملی ہیں۔ لیکن دوسری طرف فضائل اسی کثرت سے وارد ہوئے ہیں اور آپ کے پیغمبرانہ خصائص و فرائض کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان پر حیرت ہی ہو کر رہتی ہے۔ اور قرآن کا ہر بے تعصب اور انصاف پسند طالب علم یہ کہنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے کہ ایسی پاکیزہ نفس اور جامع اخلاق زندگی بیشک اس قابل تھی کہ اسے ساری نوعِ انسانی کے سامنے بطور نمونہ و نظیر کے پیش کیا جائے۔

اس سلسلۂ بیان کو شروع اس جامع آیت سے کیجئے۔ جس میں خطاب یا تو عام نوعِ بشر سے ہے اور یا قوم عرب سے۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم

بیشک آ گئے ہیں تمہارے پاس ایک پیغمبر

عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم (التوبہ ع ۱۶)	نہیں بہت گراں گزرتی ان پر ہر چیز جس سے تم تکلیف پاؤ، وہ حریص ہیں تمہارے اوپر ایمان والوں پر تو بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔

آیت میں اگر جمہور کی قرآت کے ساتھ "اَنفُسِکُمْ" پڑھئے تو مفہوم یہ پیدا ہوگا کہ وہ کوئی اجنبی نہیں کسی غیر جنس کی مخلوق نہیں۔ تمہارے آپس کے ہیں، اور تم ہی جیسے ہیں۔ ان سے مغایرت اور نامانوسیت کا کوئی محل نہیں، اور اگر "انفَسِکُم" (بفتحِ فا) پڑھا جائے کہ وہ بھی ایک قرآت متواترہ ہے تو معنی یہ نکلیں گے کہ وہ تمہارے بہترین اور نفیس ترین میں سے ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر انسانی تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے وہ اس سے انسان کو رہائی دلانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ انسانوں کے حق میں اپنی فرطِ شفقت سے حریص ہیں۔ اپنی اُمت کے حق میں وہ تو ان دو صفات کے مالک ہیں جو اللہ اپنے بندوں سے متعلق رکھتا ہے۔ یعنی رأفت و رحمت اور امت کے حق میں ان کی شفقت و دلسوزی بے پایاں ہے۔

آپ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا ایک احسان عظیم ہے اور آپ کے فرائض و مشاغل خود اس پر دلیل کا کام دیتے ہیں۔

لقد من اللہ علی المومنین	اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو
اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم	ان کے درمیان ایک رسول بھیجا انہیں میں
یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم	سے، جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہو
ویعلمھم الکتاب والحکمۃ	اور انہیں سنوارتا ہو اور انہیں تعلیم دیتا ہو

وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین	کتاب اور حکمت کی اور گو وہ اس سے قبل صریح
(آل عمران ع ۱۷)	گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ۔

آیت سے جہاں ایک طرف رسولؐ کا درجہ و مرتبہ عند اللہ معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ کی بعثت کو اپنے احسان سے تعبیر کیا ہے۔ وہیں آپ کے روزانہ مشاغل پر بھی اس سے روشنی پڑ گئی۔ اور یہ معلوم ہو گیا کہ آپ امت تک قرآن مجید نہ صرف پہنچاتے تھے، بلکہ اس کی تعلیم دیتے اور شرح کرتے رہتے۔ اور تزکیہ نفس کے کام میں لگے رہتے یعنی اصلاح ظاہری و اصلاح باطنی دونوں میں۔

اس سے ملتا ہوا مضمون ایک دوسری آیت کا بھی ہے ۔

ھو الذی بعث فی الامیین	وہ اللہ وہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان
رسولا منھم یتلوا علیھم	ایک رسول بھیجا انھیں میں سے جو ان پر اللہ
آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم	کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور انھیں سنوارتا ہے
الکتاب والحکمۃ وان کانوا	اور انھیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی ۔
من قبل لفی ضلال مبین	اگرچہ وہ لوگ اس سے قبل صریح گمراہی میں
(الجمعۃ ع ۱)	پڑے ہوئے تھے ۔

مشاغل روزانہ اور فرائض نبوی کا عکس اس آیت میں بھی نظر آجاتا ہے ۔

کما ارسلنا فیکم رسولا	جیسا کہ ہم نے بھیجا تمھارے درمیان ایک رسول
منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم	تمھیں میں سے جو تمھیں پڑھ کر سناتا ہے ہماری
ویعلمکم الکتاب والحکمۃ	آیتیں اور تمھیں سنوارتا ہے اور تمھیں تعلیم
ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون	دیتا ہے کتاب اور حکمت کی ۔ اور وہ سکھاتا

(البقرۃ ع ۱۸) سے، وہ جو تم نہیں جانتے تھے۔

قرآن مجید کی تبلیغ و تعلیم کا تو ذکر مستقلاً آ ہی چکا۔ آیات قرآنی نے تصریح کر دی، کہ اس کے اور تزکیۂ نفوس کے علاوہ آپ حکمت اور ایسی باتوں کی بھی تعلیم دیتے تھے جو اس وقت تک امت کے دائرہ علم میں نہ تھیں اور اس سے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ آپ الفاظ قرآنی سے قطع نظر خود بھی تعلیم و تربیت فرمایا کرتے تھے اور نظری و عملی حیثیت سے وہ رہنمائی اپنی قوم کی کرتے۔ جو اب تک اس کے دماغ کی رسائی کے باہر تھی،

اور آپ کی بعثت کی غرض و غایت تو بہت صاف ارشاد ہو گئی ہے۔

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين (الانبیاء ع ۷) ہم نے آپ کو بھیجا ہی ہے رحمت بنا کر جہانوں کے لئے۔

یعنی آپ تو سبب رحمت ہی ہیں۔ کل جہان والوں کے لئے۔

آپ کی اطاعت مخلوق پر واجب ہی نہیں۔ بلکہ مرادف ہے اطاعت الٰہی کے۔

ومن يطع الرسول فقد اطاع الله (النساء ع ۱۱) جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے عین اطاعت کی اللہ کی۔

اور یہ جب ہی ممکن ہو جب آپ کا ہر خطا و لغزش سے معصوم و ماورا ہونا پہلے تسلیم کر لیا جائے۔ ورنہ غیر معصوم سے تو ہمیشہ احتمال رہے گا۔ کہ فلاں معاملہ میں اس سے لغزش مرضیات حق کی ترجمانی میں ہو گئی ہو اور اطاعت رسول کی تاکید کرنے والی آیتیں ایک نہیں متعدد ہیں۔ بعض بالواسطہ اور اکثر براہ راست۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا (الحشر ع ۱) اور رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دیں اس سے رک جاؤ۔

اور اس اخذ و منبع میں رسول کے سارے احکام مثبت و منفی آگئے۔ ساتھ ہی کلی اور مجموعی طور پر یہ بھی بتا دیا گیا، کہ۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ — بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک
اسوۃ حسنۃ (الاحزاب ع ۳) — اچھا نمونہ موجود ہے۔

اس لئے قدرۃً آپ کا ہر قول و عمل اُمت کے لئے واجب التقلید ہو، تا وقتیکہ اس کے خلاف کوئی تصریح نہ ہو۔

اب وہ آیتیں بھی ملاحظہ ہوں جن میں اطاعت رسول کا حکم براہ راست موجود ہے۔ اطاعت الٰہی پر عطف ہو کر سورۂ آل عمران ع ۴ میں ہے۔

قل اطیعوا اللہ والرسول — آپ کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ اور رسول کی
اور اسی سورت کے رکوع ۱۴ میں لفظ قل حذف کر کے ہے

واطیعوا اللہ والرسول — اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی۔

سورۃ النساء رکوع ۸ میں ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ — اے ایمان والو۔ اطاعت کرو اللہ کی اور
واطیعوا الرسول۔ — اطاعت کرو رسول کی۔

اسی کے متصل اطاعت اولو الامر کا بھی حکم ہے۔ لیکن معاً بعد یہ بھی ارشاد ہو گیا ہے کہ

فان تنازعتم فی شیء فردوہ — اگر تمہارے آپس میں کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو
الی اللہ والرسول۔ — تو اس کو رد کر دیا اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف

خوب خیال کر لیا جائے۔ اپیل کی عدالت صرف بارگاہ خداوندی نہیں دربار رسول بھی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کسی مخلوق کا اعزاز خالق کے یہاں کس طریقہ پر ظاہر

کی جائے۔

اتنی جگہ صریح حکم اطاعت رسول کا، صیغۂ امر میں اور وہ بھی اکثر اطاعت الٰہی پر عطف کرکے قطعاً کسی اور مخلوق کے حق میں وارد نہیں ہوا ہو۔ اور یہ نظائر تو حکم اطاعت پر صیغۂ امر کے ہوئے، باقی دوسرے طریقوں سے اسی مفہوم کی جو تبلیغ و تلقین اور تاکید ہوئی ہے وہ بھی کچھ کم موثر اور پر زور نہیں۔

سورۃ النساء رکوع ۱۱ کی ایک آیت ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ کچھ دیر قبل نقل ہو چکی ہے اسی سورۃ کے رکوع ۹ میں انعام یافتہ بندوں کی معیت کے سلسلہ میں یہ آ چکا ہے کہ

ومن یطع اللہ ورسولہ — (یہ وہ ہیں) جو اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔

اور اس سے بھی قبل اسی سورۃ کے رکوع ۲ میں جہاں اہل جنت کا ذکر ہے وہاں بھی ٹھیک یہی الفاظ موجود ہیں ــــــ اور آیت کا یہی ٹکڑا توٹ بوٹ کر سورۃ النور رکوع ۷، اور سورۃ الاحزاب رکوع ۹ اور سورۃ الفتح رکوع ۲ میں بھی آیا ہے۔

حکم کی یہ سب تاکیدیں لفظ اطاعت کی صراحت کے ساتھ تھیں، ایک جگہ مصدر اتباع آیا ہے۔ وہ بھی اس شان کے ساتھ اتباع رسول کو عین زینہ اللہ کے ہاں محبوبیت کا قرار دے دیا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ع ۴) — آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

اور اس مثبت وایجابی پہلو کے علاوہ یہی مضمون متعدد منفی اور سلبی پہلوؤں سے بھی قرآن مجید میں آیا ہے. مثلاً

ومن یعص اللہ ورسولہ	اور جو نافرمانی کریگا اللہ اور اس کے رسول کی
اور من یحادد اللہ ورسولہ	اور جو کوئی مخالفت رکھے گا اللہ اور اسکے رسول سے
اور من یشاقق الرسول	اور جو کوئی دکھ پہنچائے گا رسول کو
اور ان الذین یحادون اللہ و رسولہ	اور جو لوگ دشمنی رکھتے ہیں اللہ اور اسکے رسول سے .

اور اسی قبیل کی دوسری آیتیں. اور وہ آیتیں جن میں ذکر رسول سے نافرمانی کرنے یا معصیت رسول کا آیا ہے. اگر یہ سب استدلال و استشہاد کی غرض سے نقل ہونے لگیں تو یہ محدود وقت گنجائش رکھنے والے مجرا اپنے حدود سے بڑھ اور بہت بڑھ جائیں. اس لئے سامعین کو اس خاص سلسلہ میں تناعت اتنے ہی پر کرنا ہوگی.

لیکن ابھی دو چار نہیں بیسیوں آیتیں اور ہیں جن میں رسولؐ کے فرائض اور مناصب اور خصائص تینوں کا بیان موجود ہے. ان سب سے قطع نظر کیونکر ممکن ہے؟ اور اگر انھیں چھوڑ دیا جائے تو سیرت نبوی کا قرآنی خاکہ بالکل ہی ناتمام رہ جائے گا اور یہ اختصار پسندی اصل موضوع کے ساتھ ایک طرح کی خیانت ہی ہوگی.

رسولؐ کے فرائض کا جہاں تک تعلق ہے (اور ضمناً فضائل بھی اس میں آگئے) یہ پہلو اس باب میں بہت صاف واضح ہے.

انا ارسلناک شاھداً ومبشراً	لے پیغمبر ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور
ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ و	خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا

وسراجاً منیرًا (الاحزاب ع ۶)	اور اللہ کی طرف اسی کے حکم سے بلانے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

شاھد کی تفسیر یہ ہے کہ آپ سب پر گواہی دیں گے اور اس صفت کا ظہور حشر میں ہوگا۔ مبشر و نذیر کے معنی صاف ہیں، اچھوں کو صلۂ نیک کی خوشخبری سنانے والے، اور بدوں کو ان کے انجام سے ڈرانے والے۔ اور اللہ کی طرف اسی کے حکم و رضا سے۔ دعوت دینے والے اور ایک روشن چراغ یعنی نمونہ ہدایت، کہ آپ ہی کے چراغ سے خدا معلوم کتنے اولیا و صالحین کے چراغ آج تک روشن ہو چکے ہیں۔ اور آئندہ بھی روشن ہوتے رہیں گے۔ اور یہ مضمون قرآن میں جابجا آیا ہے اور اسی سراج منیر کی آیت سے استنباط کر کے جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین۔ (المائدہ ع ۳)	لوگو تمھارے پاس آگیا ہے اللہ کے یہاں سے ایک نور (اور) ایک کتاب واضح بھی۔

وہاں نور سے اشارہ ذات رسالت کی جانب ہے تو انھوں نے کچھ بے جا تفسیر و تاویل نہیں کی ہے۔

آپ کے فضائل کی ایک جامع سورت سورۃ الانشراح ہے جہاں یہ ارشاد ہو گیا ہے کہ

الم نشرح لک صدرک	کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا ہے
ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک	اور آپ سے آپ کا وہ بار اتار دیا جو آپ کی پشت توڑے دیتا تھا۔

یعنی آپ کا شرح صدر کر کے آپ کے قلب و روح کو علوم و معارف ربانی سے
بھر دیا۔ اور ہدایت خلق کی فکر میں جو آپ گھلے جا رہے تھے۔ اس بار کو آپ کے
لئے ہلکا کر دیا۔

اس سے آپ کی اس عادت مبارک پر بھی روشنی خود بخود پڑ گئی کہ ہدایت خلق
کی فکر آپ کو کتنی مشقت و تعب میں ڈالے ہوئے تھی۔ اور اس کے معاً بعد یہ مژدہ
بھی ہے کہ

ورفعنا لک ذکرک — ہم نے آپ کے لئے آپ کا آوازہ بلند کر دیا۔

آج دنیا میں کون بشر ہے، جو پیغمبر اسلام کے آوازہ کی بلندی میں کلام کر سکتا
ہے؟ کوئی شخص کسی بھی عقیدہ اور مذہب کا ہو آخر آج اس سے کیسے انکار کر سکتا ہے
کہ دنیا کی بشری آبادی میں صرف ایک ہی ذات ایسی ہے۔ جس کا نام خدائے واحد کے
نام کے ساتھ ساتھ۔ دنیا کے ایک ایک گوشہ سے ہر روز پانچ پانچ مرتبہ پکارا جاتا ہے
اور اس دلسوزی اور پشت توڑ دینے والی ہمدردی نوع انسانی کا بیان اسی
آیت تک محدود نہیں۔ دوسری آیتوں میں امر جذبہ ہدایت خلق کی تصریح در تصریح
موجود ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ہے کہ منکروں کے فلاں فلاں قول سے

وضائق به صدرک (ہود) — آپ کا سینہ تنگ ہوا جاتا ہے

ایک جگہ اس سے بھی زیادہ ناقش وارد ہوا ہے۔ مسیحیوں کی شدید گمراہی اور مسیح
پرستی کے ذکر کے سیاق میں۔

فلعلک باخع نفسک علی — تو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون
آثارھم ان لم یومنوا بھذا — پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے

بالحدیث اَسَفًا (الکہف ع ۱)   دیں گے۔

یہ بےچینی اور دلسوزی جب غیروں کے واسطے تھی۔ تو اپنی امت کے حق میں اس کا
جو درجہ ہوگا ظاہر ہی ہے ـــــ دوسری جگہ بھی منکرین ہی کے سلسلہ میں بیان ہوا ہے۔

لعلک باخع نفسک الا یکونوا   شاید ان کے ایمان نہ لانے پر آپ اپنی جان
مومنین (الشعراء ع ۱)   بھی دے دیں گے۔

جو عام انسانوں کے لئے ایسے ہی غم جانگزا میں گھلتا رہتا ہو۔ حقیقۃً اسی کو حق بھی
سارے عالم کی پیمبری اور انبیاء و مرسلین کی سرداری کا ہے۔

اور جب مقتدائی میں آپ کا یہ مرتبہ تھا جبھی تو یہ قرار پایا کہ اللہ کے یہاں مقبول
محمود و محبوب ہونے کا نسخہ یہ ہے کہ اسی کامل ہستی کے نقش قدم پر چلا جائے ـ
خود آپ کی زبان سے اعلان کرایا گیا۔

قل ان کنتم تحبون اللہ   آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو
فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ع ۴)   میری راہ پر چلو۔ اللہ تم سے محبت رکھنے لگے گا

رسولؐ کے فرائض میں نمایاں طور پر یہ بات داخل تھی کہ آسمانی کتابوں کو ماننے والی
پرانی قومیں اپنے ہاتھوں تقلید انسانی اور اوہام پرستی کے جن بندھنوں میں پھنسا چکی تھیں انہیں
ان قیدوں اور سختیوں سے نجات دلائیں اور انھیں دین کا سیدھا، ہموار راستہ دکھائیں۔
چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ پیمبر جن کا مذکور توریت و انجیل میں آچکا ہے ـ

یامرھم بالمعروف وینھاھم   انھیں نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری
عن المنکر ویحل لھم الطیبات و   باتوں سے منع فرماتے ہیں، اور پاکیزہ چیزوں کو
یحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم   ان کے لئے حلال بتاتے ہیں۔ اور گندی چیزوں

اصرھم والاغلال التی کانت علیھم (الاعراف ع ۱۹) | کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو ان سے دور کرتے ہیں

اور اتنا ہی نہیں۔ بلکہ اہل کتاب کے مقتداؤں نے تحریفات و تلبیسات و تصرفات کا انبار جو اپنی آسمانی کتابوں میں لگا دیا تھا اسے بھی یہ صاف کرتے ہیں۔ اور ان مجرموں کی بہت سی باتوں سے درگزر بھی کر جاتے ہیں۔ ارشاد و اہل کتاب کو مخاطب کر کے ہوتا ہے۔

یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب و یعفو عن کثیر۔ (المائدہ ع ۳) | اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آگئے ہیں۔ کتاب میں سے جن امور کو تم چھپاتے رہے ہو۔ ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے کھول دیتے ہیں اور (تمہاری) بہت سی باتوں سے چشم پوشی بھی کر جاتے ہیں۔

آپ کی راہ میں مشکلات اتنی حائل ہو گئی تھیں۔ اور تبلیغ رسالت کے لئے ایسے سخت پیش آگئے تھے کہ ان حالات میں ثابت قدم رہ جانا معمولی ہمت والے انسان کا کام نہ تھا۔ آپ کو استقامت اور ثبات قلب و ثبات قدم کی طاقت بھی اسی لئے غیر معمولی عنایت کی گئی۔

ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا۔ (بنی اسرائیل ع ۸) | اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کچھ تو ان لوگوں کی طرف جھک جاتے۔

یہ بیان فطرت بشری کا ہوا۔ بشریت کا عین مقتضا یہ تھا کہ آپ ان منکرین

سے کسی قدر کوئی صورت مصالحت و مفاہمت کی نکالتے۔ لیکن امداد غیبی آڑے آئی اور اس نے درجہ اولیٰ میں بھی آپؐ کو اپنی جگہ سے جنبش نہ ہونے دی۔

منکرین معاندین کے شدید مخالفانہ رویہ سے آپؐ کو اذیت قلب محسوس ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ اس پر آپ کو علانیہ تسکین دی گئی۔ کہ یہ کوئی آپ کی ذاتی حیثیت سے تکذیب تھوڑے ہی ہوئی۔ یہ تکذیب تو ہیں آیات و دلائل الٰہی اور آپ کے پیام کی ہے۔ تو آپ اس سے اپنی ذات پر اتنا اثر کیوں لیں۔

قد نعلم انه ليحزنك الذي يقولون فانهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون (الانعام ع ۴)

ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی باتیں آپ کو رنج دلاتی ہیں لیکن یہ لوگ تکذیب آپ کی نہیں کرتے۔ بلکہ آیات الٰہی کے منکر ہٹ دھرمی سے ہو رہے ہیں۔

ورنہ ذاتی حیثیت سے تو آپ کی سیرت اتنی ممتاز اور آپ کا پایۂ اخلاق اتنا بلند تھا کہ بڑے بڑے منکروں معاندوں کو کبھی گرفت کی گنجائش نہ تھی۔ آپ کی زندگی اتنی بے لوث بے داغ رہی تھی۔ کہ خود اسی کو حجت بنا کر منکروں کے سامنے پیش کیا گیا اور ان سے سوال کرایا گیا کہ میں تو تمہارے ہی اندر رہا سہا ہوں۔ تمہارے ہی اندر اتنی عمر گزاری ہے تمہیں بتاؤ کہ اس سے قبل تمہیں کوئی بدگمانی کا موقع ملا ہے؟

فقد لبثت فيكم عمراً من قبله افلا تعقلون۔ (یونس ع ۲)

میں تمہارے ہی درمیان اس دعوئ نبوت سے قبل ایک عمر گزار چکا ہوں سو تم لوگ کیوں عقل سے کام نہیں لیتے؟

اور یہ بھی کہلایا گیا ہے کہ اگر میں ارادۃً غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا ہوں۔

تو تمہاری تشخیص کے مطابق لازمی ہے کہ نکلے کوئی دماغی بیماری ہو کہ اس میں پڑکر وہ اس وہم میں مبتلا ہو گیا ہو۔ تو اس مفروضہ کو بھی تم اپنی علم و واقفیت کی کسوٹی پر کس کے دیکھ لو۔

قل انما اعظکم بواحدۃ ان	آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے
تقوموا للہ مثنی وفرادی ثم	ہو جاؤ دو دو ایک ایک، پھر سوچو کہ تمہارے
تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ (سبا ع ۶)	(اُن) ساتھی کو کہیں جنون تو نہیں ہے۔

اور پھر اسی کو مختصراً دہرایا گیا ہے۔

اولم یتفکروا ما بصاحبھم	یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے ان کے ساتھی کو
من جنۃ۔ (اعراف ع ۲۳)	کوئی شائبہ جنون کا تو ہے نہیں۔

پھر یہ رہ گیا ایک احتمال یہ ہو سکتا تھا کہ شاید کوئی طمع وغیرہ ہی آپ کو اس سوال پر لائی ہو۔ قرآن مجید نے اس احتمال کی بھی جڑ کاٹ دی۔

قل ما سألتکم من اجر فھو لکم	آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے (اس تبلیغ رسالت)
ان اجری الا علی اللہ	کا کوئی معاوضہ مانگا ہو تو بس وہ تمہارا ہی رہا
(سبا ع ۶)	میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے۔

اور اسی کے ہم مضمون فقرے حضرت نوحؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت لوطؑ وغیرہم کی زبان سے ادا کر کے رسول اللہ صلعم کے اس جواب کو اور زیادہ قوی و مؤکد کر دیا ہے۔

قرآن مجید نے آپ کو اعزاز و احترام کے جس مرتبہ پر رکھنا چاہا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس کلام مبین میں قسم آپ کی عمر کی دلائی گئی ہے۔ قوم لوط کی بدکرداریوں اور بدمستیوں کے سلسلہ میں ہے کہ:۔

لعمرك انهم لفي سكرتهم   قسم ہو آپ کی جان کی وہ لوگ اپنی مستی
يعمهون   (الحجر ع ۵)   میں مدہوش تھے۔

اور قسم کا استعمال اگر عربی میں شہادت کے مفہوم میں ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ حضور کی ساری زندگی کو صداقت کی نظیر کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور آپ کی مرتبت عالی پر روشنی اس حقیقت سے بھی بخوبی پڑ جاتی ہے کہ جہاں اور ہم منصب حضرات کا ذکر صیغۂ ندا میں نام کے ساتھ آیا ہے یا آدم، یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا داؤد وغیرہم۔ وہاں آپ کا ذکر قرآن مجید بھر میں مخاطبت کے وقت نام کے ساتھ نہیں، بلکہ صفات کمال و جمال میں سے کسی نہ کسی صفت ہی کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً یاایھا النبی یا یاایھا الرسول یا یاایھا المزمل یا یاایھا المدثر وغیرہ۔ اور صیغۂ غائب میں مطلق لفظ عبد سے اشارہ آپ ہی کی ذات کی طرف کیا گیا ہے جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ عبدیت اپنی کامل ترین یا اکمل صورت میں جلوہ گر آپ ہی کی ذات میں ہوئی ہے۔

اسی قسم ہی کے سلسلہ میں یہ بات بھی سن رکھنے کی ہے کہ قرآن مجید میں قسم ایک شہر کی بھی مذکور ہے۔

لا اقسم بهذا البلد   (البلد ع ۱)   میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔
لیکن معاً بعد تو رسول کو مخاطب کر کے ہے۔

وانت حل بهذا البلد   اور آپ اس شہر میں اترے ہوئے ہیں۔
یا کہ آپ کے لئے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔

ان دونوں تفسیروں میں سے جو بھی اختیار کی جائے بہرحال اتنا جزو بات

ہے کہ اس مکان کو جو شرف و عظمت حاصل ہے وہ اس مکین کی نسبت سے ہے۔
آپ اس شہر میں مقیم رہ کر زندگی بسر کرتے ہیں یا آپ کے لئے اس حرم محترم میں جنگ جائز ہو رہی ہو، ہر صورت میں آپ کی نسبت ہی باعث احترام ہوئی۔

مشہور واقعۂ معراج کی تفصیلی کیفیات جو کچھ بھی ہوں۔ بہرحال قرآن مجید اس کی گواہی تو دے ہی رہا ہے کہ وہ ایک واقعہ عظیم و نادر تھا جس سے آپؐ کی یکتائی ظاہر ہو رہی ہے۔

سبحان الذی اسری بعبدہٖ	وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ کو لے گیا
لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد	راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس
الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ	کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں تاکہ
من ایاتنا ۔ (بنی اسرائیل ع ۱)	ہم انہیں اپنی کچھ نشانات دکھا دیں۔

اور اسی طرح دوسری جگہ رسولؐ کی جس سیر آسمانی کا ذکر کیا ہے اور جس طرح آپؐ کی روحانیت کے مرتبے دکھلائے گئے ہیں۔ وہ آپ کو نہ صرف عام نوع بشری میں بلکہ صف انبیاء و مرسلین میں بھی کتنا ممتاز کرنے والا ہے۔

ما ضل صاحبکم وما غوی	یہ تمہارے ساتھی (اس عالم میں آئی) نہ راہ سے
(النجم ع ۱)	بھٹکے نہ غلط راستہ پر چل پڑے۔

بلکہ آپ کا مرتبہ تو یہ ہے کہ آپؐ جو چیزیں پیش کر رہے ہیں وہ کوئی بھی اپنی خواہش نفس سے نہیں بلکہ وحی الٰہی کے ماتحت ہیں۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو	اور وہ آپ اپنی خواہش نفس سے باتیں نہیں
الا وحی یوحی	بناتے۔ بلکہ ان کا ارشاد وحی ہی ہوتا ہے جو

ماننی ہے آپ کا انجام آپ کے آغاز سے بھی کہیں زیادہ عالی شان وتابدار رکھ دیا گیا ہے۔

وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ (ایضاً) — آخرت آپ کے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے

اتنا ہی نہیں، آپ کی رضا خود آپ کے خالق کو کس درجہ مدنظر ہے۔

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (ایضاً) — عنقریب اللہ آپ کو اتنا کچھ دے گا کہ آپ اس سے خوش ہو جائیں گے۔

اور اس عطا اور بخشش ہی کے سلسلہ میں، وہ لفظاً چھوٹی اور معناً بڑی آیت بھی پڑھ لینے کے قابل ہے۔

انا اعطینٰک الکوثر (کوثر) — بیشک ہم نے آپ کو عطا کردی کوثر

اور اب کوثر کو خواہ جنت کی حوض ونہر کے معنی میں لیا جائے۔ خواہ خیر کثیر کا مرادف سمجھا جائے، یہ وہ بشارت عظیم ہے جو آپ کے سوا مخلوق میں اور کسی کو بھی نہیں ملی۔

اور اسی معنی کی تائید وتاکید وتصریح میں یہ آیت بھی ہے۔

وان لک لاجرا غیر ممنون (القلم ع ۱) — اور آپ کے لئے بیشک ہے اجر غیر منقطع۔

قرآن کی زبان جس اجر کو غیر منقطع بتائے اس کی حدو نہایت کا کون حساب لگا سکتا ہے۔

ایک جگہ قرآن نے آپ کے ایک ایسے وصف جامع کا ذکر کردیا ہے جس کے

اندر سارے ہی اوصاف آ سکتے اور آ جاتے ہیں ـــــ اور اس کی شرح و تفصیل جتنی بھی کی جا سکے۔ وہ وصف اتنا جامع ہے کہ اس پر کسی اضافہ کا امکان نہیں ارشاد ہوا ہے کہ:

انک لعلیٰ خلق عظیم	اے پیمبر آپ اخلاق کے عظیم پیمانہ پر ہیں۔
(القلم ع ۱)	

خلق سیدھا جامع ہی ہے اور اس کے اندر اخلاق حسنہ کے سارے ہی اصناف وافراد آ گئے۔ پھر جب قرآن نے جو مبالغہ کی زبان سے نا آشنا ہے محض ہے اس کے ساتھ صفت عظیم کی لگا دی۔ تو اب یہ صفت اس وسعت و بلندی کو پہنچ گئی جو بندوں کے ادراک کی رسائی کی منتہا ہے۔

کہیں کہیں قرآن اخلاق حسنہ کی اس جامعیت کی کچھ تفصیل و تصریح کرتا گیا ہو مثلاً ایک جگہ ناموافق احوال کے سیاق میں ہے۔

فبما رحمة من الله لنت لهم	اللہ کی رحمت ہی ہے کہ آپ ان لوگوں کے
ولو كنت فظاً غليظ القلب لا	حق میں نرم رہے اور اگر آپ کہیں تند خو سخت
انفضوا من حولك فاعف عنهم	طبیعت والے ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب
واستغفر لهم	منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور
(آل عمران ع ۱۷)	ان کے لئے استغفار کر دیجئے۔

اس سے ہر قسم کی سخت مزاجی کی نفی اور نرم خوئی کا اثبات پوری طرح ہو گیا اور کہیں یہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کے ہاں سے جو باتیں آپ کو معلوم ہوتی رہتی ہیں ان کو پھیلانے بتلانے میں آپ ذرا بھی بخل کو کام میں نہیں لاتے۔

وماھو علی الغیب بضنین (التکویر) اور یہ رسولؐ غیب کے بتانے میں ذرا بھی بخیل نہیں۔

تحریک شفقت کی نہیں۔ افراطِ شفقت و دلسوزی سے آپ کو منع کرنے کی ضرورت تھی۔

فلا تذھب نفسک علیھم حسرات (فاطر ع ۲) ان لوگوں کے حال پر غم کر کے کہیں آپ جان تو دے بیٹھیں۔

مجاہدات خصوصاً عبادات شبینہ کے آپ بہت عادی تھے۔

ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی الیل ونصفہ و ثلثہ (المزمل ع ۲) آپ کے پروردگار کو اس کا علم ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب اور آدھی آدھی رات اور تہائی رات کھڑے رہتے ہیں۔

ان مجاہدات شاقہ سے قرآن مجید کو آپ کو روکنے کی ضرورت پڑی اور نہایت شفقت و کرم سے ارشاد ہوا۔

وما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ (طٰہٰ ع ۱) ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

معاندین کی مسلسل شرارتوں پر تسکین آپ کو بار بار دی گئی ہے اور ایک جگہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ آپ قابل ملامت قابل الزام کسی طرح بھی نہیں۔

فتول عنھم فما انت بملوم (الذاریات ع ۳) آپ لوگوں کی طرف التفات نہ کیجئے اور آپ پر کوئی ملامت نہیں۔

اور ایک جگہ تسلی کے لئے شفقت خاصہ اور عنایت خصوصی کے الفاظ یہ

دار ہوئے ہیں کہ آپ تو ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔

واصبر لحکم ربك فانك باعیننا (الطور ع ۲)
آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر کئے رہئے آپ تو خاص ہماری حفاظت میں ہیں۔

منکرین و معاندین کے پاس بڑا حربہ طنز و استہزا کا تھا قرآن مجید نے تسکین اس پہلو سے بھی دی۔

انا کفینٰك المستھزئین (الحجر ع ۶)
(ان) استہزا کرنے والوں سے ہم آپ کے لئے کافی ہیں۔

اس سے نفس استہزا کا وجود تو ثابت ہی ہو گیا۔

مخالفین و معاندین کثرت سے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے متعدد اشاروں سے معلوم ہوتا ہے۔ تصریح کے ساتھ ذکر ابولہب کا اور اس کی بیوی کا آتا ہے۔ ابولہب کا نام تاریخ میں عبدالعزیٰ آیا ہے۔ اور سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ وہ علاوہ آپ کا عزیز قریب یعنی چچا ہونے کے پڑوسی بھی تھا۔ یہ خود اور اس کی بیوی جو اموی خاندان کی تھی، دونوں اذیت رسانی میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور پڑوس کی بنا پر انھیں اس کے موقعے بھی زیادہ تھے۔ قرآن مجید نے اس اہل الخصام کے تذکرہ میں کہا ہے۔

تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنیٰ عنه ماله وما کسب (لھب)
ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابولہب کے (یعنی اس کی ساری کوششیں اسلام دشمنی میں ناکام رہیں) اور وہ ہلاک ہو گیا۔ کچھ کام اس کے نہ آیا نہ اس کا مال اور اس کی کمائی۔

بڑا غزوہ معلوم ہوتا ہے جس سے اپنے مال و دولت پر تھا ـــــ اور جو انجام اس کا ہوا۔ ایسا ہی کہنا چاہیے کہ دشمنانِ رسول کے جتنے سرخیل تھے سب کا ہوا۔ پیشین خبری واضح لفظوں میں آپ کو دی گئی تھی۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر) — جو آپ کا دشمن ہے بےشک وہی بے نام و نشان رہ جانے والا ہے۔

اور زیادہ عام اور وسیع الفاظ یہ آئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (التوبہ ع ۸) — جو لوگ رسول اللہ کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔

آپ صرف رسول ہی نہ تھے ۔ یعنی سلسلۂ انبیاء میں سے ایک بلکہ اس سلسلہ کے خاتم اور آخری نبی بھی تھے۔ آپ کے نام کی تصریح کے ساتھ آیا ہے کہ

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب ع ۵) — محمد اللہ کے رسول ہیں اور انبیاء کے خاتم بھی۔

آپ کی زندگی کی اگلی پچھلی تقصیریں اگر کچھ تھیں سب معاف ہو چکی تھیں۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح ع ۱) — تاکہ اللہ آپ کے وہ گناہ جو پہلے ہوئے اور جو پیچھے ہوئے، وہ سب بخش دے۔

اور یہ بات دوسری جگہ وضاحت سے ثابت ہو چکی ہے کہ پیغمبروں کے سلسلہ میں جب ذنب و عصیان کا استعمال ہوگا تو وہ انھیں کی شان و مرتبہ کے مطابق ہوگا۔ عام بشری معیار سے الگ۔ آپ کا استغفار، مومنین صادقین تو الگ رہے، ظالموں فاسقوں تک کے حق میں مقبول و موثر تھا۔

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما (النساء، ع ۹)

اور اے پیغمبر جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان

دنیا میں رسولؐ کی موجودگی نزول عذاب الہٰی سے روک بنی ہوئی تھی صاف ارشاد ہوتا ہے۔

وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم (الانفال ع ۴)

اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ آپ ان کے درمیان موجود ہوں اور وہ (اس حال میں) انہیں عذاب دے۔

رسولؐ سے بیعت اللہ سے بیعت کے مرادف تھی۔

ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله (الفتح ع ۱)

بےشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

ایمان کا معیار ہی یہ مقرر کیا گیا ہے کہ معاملات میں حَکَم پیغمبر کو بنایا جائے اور ان کے ہر فیصلہ کو بلا کراہت قبول کر لیا جائے۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما (النساء ع ۹)

تو قسم ہے آپ کے پروردگار کی انہیں ایمان نصیب نہ ہوگا جب تک یہ لوگ آپ کے آپس میں جو جھگڑے واقع ہوں اس میں یہ لوگ فیصلہ آپ سے کرائیں اور آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے پوری طرح تسلیم کر لیں

دوسری کی تصریح بار بار آئی ہے کہ آپ خود بھی فضل و رحمت الٰہی کے مورد تھے۔ مثلاً

وعلمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (النساء ع ۱۷)
اور تجھ کو وہ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل رہا ہے۔

یا دوسری طرح بار دیگر۔

ان فضلہ کان علیک کبیرا (بنی اسرائیل ع ۱۰)
بیشک آپ پر اللہ کا فضل بڑا ہے۔

یا پھر اسی طرح بار دیگر۔

وما کنت ترجوا ان یلقیٰ الیک الکتاب الا رحمۃ من ربک (القصص ع ۹)
اور آپ کو تو یہ امید ہی نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل ہوگی لیکن آپ کے پروردگار کی رحمت سے اس کا نزول ہوا۔

ایسے سرور و سردار کی زندگی اور ان کی دونوں زندگیوں کے لئے کچھ خصوصی آداب بھی مقرر ہوتے تھے۔ چنانچہ یہ سب۔ مثلاً ایک ادب یہ تھا۔ کہ آپ کو اگر پکارا جائے۔ تو اس طرح نہیں جیسے لوگ ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہیں۔

ولا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (النور ع ۹)
لوگو اپنے درمیان رسول کو اس طرح نہ پکارا کرو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

آپ کی مجلس سے بلا اجازت اٹھ جانا ممنوع ہوا۔

واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذہبوا حتی یستاذنوہ
مومنین رسول کے پاس کسی ایسے کام پر آتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہو۔ تو جب تک آپ

(النور ع ۹) سے اجازت نہ لے لیں نہیں جاتے ۔

آپ کا حق مومنین پر ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر ہے ۔

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم (الاحزاب ع ۱) نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں ۔

اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی ازواج مطہرات اُمت کی مائیں ہیں ۔

وازواجہ اُمہاتھم (الاحزاب ع ۱) اور نبی کی بیبیاں مومنین کی مائیں ہیں ۔

اور جب یہ ہوا تو اس اصل کی ایک فرع قدرتاً یہ نکلی کہ ان ماؤں کے ساتھ اُمت کے کسی فرد کا نکاح ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیا گیا ۔

ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً (الاحزاب ع ۷) مسلمانوں تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو

یہ بیبیاں عام عورتوں سے ایک ممتاز و بلند حیثیت رکھتی تھیں ۔

یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن (الاحزاب ع ۴) اے نبی کی بیبیو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کئے رہو ۔

ان بی بی صاحبوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو اُمت کو ہدایت تھی کہ پردہ کے باہر سے مانگا کریں ۔

واذا سألتموھن متاعاً فسئلوھن من وراء حجاب (الاحزاب ع ۷) اور جب تم کو ان بیبیوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردہ کی آڑ سے مانگو ۔

پیمبر کے گھر میں بے محابا. بلا اجازت چلے آنا، جائز نہ تھا۔

یا ایہا الذین آمنوا لاتد خلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم (ایضاً)	اے مومنو پیمبر کے گھروں میں بے دھڑک داخل ہو جایا کرو سوا اس کے کہ تمہیں اس کی اجازت دی جائے۔

یہ بھی امت کو ہدایت ہوئی کہ پیمبر کے ہاں اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو کھانے سے فراغت کے بعد بس اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ یہ نہ ہو کہ پیمبر کے اوقات کا لحاظ کئے بغیر بے فکری سے باتوں میں لگ جاؤ۔

فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث (ایضاً)	پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو۔ اور باتوں میں جی لگا کر بیٹھے رہا کرو۔

رسول اللہ پر مروت یا حیا اس درجہ غالب تھی کہ خود اپنے کفش بردار امتیوں سے اتنی بات بھی براہ راست نہیں فرما سکتے تھے اور قرآن مجید کو یہ ہدایت دینا پڑی

ان ذلکم کان یوذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق (ایضاً)	اس بات سے پیمبر کو ناگواری ہوتی ہے لیکن وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں۔ اور اللہ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا۔

اور آپ کے ذمہ قرآن مجید کی محض تبلیغ و تعلیم ہی نہ تھی۔ بلکہ اس کی تبیین بھی تھی۔ یعنی اس کے خفی کو جلی کرنا اس کے مشکلات کو کھولنا اور مجمل کو واضح کرنا۔ ارشاد ہوتا ہے

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون (النحل ۵)	اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں۔ آپ ان کو ظاہر کر دیں تاکہ وہ سوچتے رہیں۔

اور پھر اسی سورت میں ذرا آگے چل کر ہے۔

وما انزلنا علیک الکتاب	اور ہم نے تو یہ کتاب آپ پر بس اسی لئے نازل
الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه	کی ہو کہ آپ ان لوگوں پر وہ کھول کر ظاہر
وهدی ورحمة لقوم یؤمنون	کر دیں جس بارہ میں وہ اختلاف کر رہے ہیں
(النحل ع ۸)	اور ایمان والوں کی ہدایت رحمت کی غرض سے

غرض یہ کہ مبلغ قرآن ومعلم قرآن ہی کی طرح آپ کا شارح قرآن ہونا بھی قرآن مجید ہی سے ثابت وظاہر ہے۔ اور جس طرح باب کا آغاز آپ کے وصف بشریت سے ہوا تھا، اسی طرح باب کا خاتمہ بھی آپ کی رسالت کے اس خاص الخاص وصف کے اثبات پر ہو رہا ہے اور جب کسی نبی کے لئے قرآن نے کھل کر کہہ دیا کہ یہ لوگوں کی پیروی کے لئے ایک اسوۂ حسنہ یا ایک بہترین نمونہ ہو تو اس کے معنی ہی یہ ہوئے کہ وہ بہترین صفات وکمالات کا مجموعہ ہے کہ بغیر اس جامعیت کی ذات کے وہ نمونہ کا کام دے کیونکر سکتا ہے۔ اور ان صفات وکمالات کی تھوڑی بہت تشریح وتفصیل جو آپ کے سامنے آیات قرآنی سے ہو چکی۔ یقین ہے کہ اس کے بعد آپ کا دل خود بول اٹھے گا کہ بیشک وہی ذات مستحق تھی اس کی کہ خلق کے سامنے خالق کی طرف سے اس کی کاریگری کے شاہکار کی حیثیت سے پیش ہو۔

خطبہ (۴)

رسالت و بشریت

فضائل و مناقب کا مرقع آپ ملاحظہ کر چکے۔ اور اور بھی رسولؐ کی جلالت قدر
کے بہت سے نظریئے گزرتے رہیں گے۔ لیکن قرآن مجید جیسی جامع مانع اور مکمل منطقی کتاب
کو دوسرے سرے کی طرف سے بھی پوری احتیاط رکھنی لازمی تھی۔ پیغمبروں اور اولیا
کی شخصیتوں پر دنیا کی تاریخ میں برابر یہ ظلم عظیم ہوتا رہا ہے کہ جہاں ایک طرف
منکروں اور معاندوں نے ان کے کمالات کی طرف سے یکسر اپنی آنکھیں بند کر لیں
اور تکذیب و انکار کو اپنا شعار بنا لیا۔ وہیں دوسری طرف ماننے والوں نے بھی عقیدت
میں وہ غلو کیا کہ [illegible] اور بندہ کو خدائی ہی کے تخت پر بٹھا کر دم لیا۔
بندہ کو بندہ رہنے ہی نہ دیا۔ اور حلول، اتحاد، جسمیت، ابنیت، عینیت وغیرہ
طرح طرح کے عقیدے گڑھ کے رسالت کے ڈانڈے الوہیت سے جا ملائے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال تو کھلی ہوئی موجود ہی ہے۔ ہندوستان کے جن
بزرگوں کو "اوتار" کہہ کر مانا جاتا ہے عجب نہیں کہ ان کی بھی اصلی اور ابتدائی حیثیت
پیغمبروں کی ہو۔

قرآن مجید نے اس شدید گمراہی بلکہ کہنا چاہیے کہ گمراہیوں کی جڑ سے ختم کرنے کے لیے
بالواسطہ اور براہ راست دونوں طریقے پر زور صورت میں اختیار کیے۔

پہلے نظر طریق بالواسطہ پر ڈالیے۔ قرآن مجید نے پہلے اس سلسلہ میں یہ اصل قائم کی کہ آپ بھی اسی طرح ایک رسول ہیں۔ جیسے آپ کے قبل ہو چکے ہیں۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ (النساء ع ۲۳)	ہم نے (اے نبی) آپ کی طرف بھی بیشک (اسی طرح) وحی بھیجی ہے جیسی نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں پر بھیجی تھی۔

اور خود آپ کی زبان سے یہ کہلا دیا گیا۔

قل ما کنت بدعا من الرسل (الاحقاف ع ۱)	آپ کہہ دیجیے کہ میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا تو ہوں نہیں۔

اور یہ بھی تصریح کے ساتھ ارشاد ہو گیا۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل (آل عمران ع ۱۵)	محمدؐ تو بس ایک پیغمبر ہی ہیں بیشک ان سے پہلے بھی پیغمبر ہو چکے ہیں۔

اور اس اصل کے مقرر اور متعین ہو جانے کے بعد یہ حقیقت بھی ارشاد ہو گئی کہ سارے رسول انسان ہی ہوئے ہیں۔ بشر ہوئے ہیں فوق البشر نہیں۔ نہ دیوتا، نہ اوتار، نہ ابن اللہ نہ کچھ اور فقط وحی الٰہی سے سرفراز بشر!

وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیہم من اہل القریٰ (یوسف ع ۱۲)	اے پیغمبر! ہم نے آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے وہ بستیوں کے رہنے والے بس آدمی ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

اسی حقیقت کا اعادہ سورۂ النحل ع ۶ میں ہے اور یہی مضمون سورۂ انبیاء ع میں ایک بار پھر برائے نام لفظی فرق کے ساتھ ارشاد ہوا ہے۔ گویا خوب وضاحت اور تکرار کے ساتھ یہ ارشاد ہو گیا کہ نبوت بشریت کے ماورا اور اس سے مافوق کوئی چیز نہیں۔

یہ طریقہ تو بالواسطہ آپ کو بشر قرار دینے کا تھا۔ لیکن قرآن نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ براہ راست آپ کی بشریت کا اثبات اور وہ بھی بہ تکرار کیا ہے۔ ایک جگہ آپ ہی کی زبان سے کہلایا ہے۔

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ع ۱۰)	میں بجز اس کے بشر ہوں پیغمبر ہوں اور کیا ہوں۔

شرک اور مشرکانہ عقائد میں ڈوبے ہوئے منکرین بار بار پیغمبروں سے انکار واستعجاب کے لہجہ میں کہتے تھے۔

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ع ۱۱)	کیا خدا نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

یا یہ کہ

اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا (التغابن ع ۱)	کیا ہماری ہدایت ایک بشر کرے گا۔

یا کبھی اپنے پیغمبر ہی کو براہ راست مخاطب کر کے کہتے

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (الشعراء ع ۸)	تم اور کیا ہو بجز اس کے ہم ہی جیسے ایک بشر ہو۔

اس طرح کے فقرے قرآن مجید نے ان مکذب قوموں کی زبان سے بار بار نقل

کیے ہیں اور اس کے جواب میں ان کے پیمبروں کی زبان سے اس واقعیت کو بڑی خندہ جبینی سے تسلیم کرا لیا ہے۔

ان نحن الا بشر مثلکم (ابراہیم ع ۲) بیشک ہم تو بس بشر ہی ہیں تم جیسے۔

اور اتنے ہی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بھی تصریح بار بار کرا دی کہ پیمبروں کا جسم بھی عام انسانوں کی طرح مادی جسم ہوتا ہے اور انہیں احتیاج بھی کھانے پینے کی رہتی ہے۔

وما جعلنا ھم جسدا لا یاکلون الطعام (الانبیاء ع ۱) اور ہم نے انہیں جسم بھی ایسا نہیں دیا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں۔

اور خود ہمارے رسول سے متعلق تو مشرکین مکہ کا یہ مستقل طنز تھا کہ یہ کیسے رسول ہیں۔ جو کھانا بھی کھاتے ہیں۔ اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔

قالوا مال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق (الفرقان ع ۲) بولے کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

جواب میں آپ کی بشریت کی واقعیت کو تسلیم کر کے ارشاد ہوا کہ اس میں نئی بات کیا ہے۔ جتنے پیمبر پیشتر آچکے ہیں سب ہی جسم اور یہی احتیاجیں لے کر آئے تھے۔

وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق (الفرقان ع ۲) اور ہم نے آپ سے پیشتر جتنے پیمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

اور یہی نہیں کہ پیمبران برحق کھانے پینے چلنے پھرنے کی بشری ضرورتوں

سے بے نیاز نہ تھے بلکہ بیوی بچے شادی بیاہ اور خاندان کے معاملے میں بھی ترک تبتّل اور رہبانیت کے قائل اور عامل نہ تھے۔

ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لھم ازواجا و ذریۃ (الرعد ع ۶)

اے پیغمبر بیشک ہم نے آپ سے پیشتر پیغمبر بھی بھیجے ہیں اور انھیں بیبیاں اور اولادیں بھی دی ہیں۔

اور پیغمبروں میں تو اتنی قوت بھی نہیں ہوتی کہ خود اپنی طرف سے کوئی معجزہ دکھا سکیں یا کوئی امر بطور خارق عادت پیش کر سکیں۔

وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ (الرعد ع ۶)

اور کسی رسول کے بس میں نہیں کہ وہ کوئی بھی نشان لا سکے بجز اس کے کہ اللہ کے حکم سے

اور خود پیغمبروں کی زبان سے کہلایا گیا۔

وما کان لنا ان نأتیکم بسلطٰن الا باذن اللہ (ابراہیم ع ۲)

اور ہمارے بس میں تو یہ نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی دلیل لا سکیں بجز اس کے کہ اللہ کے حکم سے۔

معبودیت کی بڑی پہچان اور مخلوقیت کی بالکل ضد دوامِ زیست یا ابدیت ہے۔ اس وصف کی کامل نفی پیغمبروں سے قرآن نے کی ہے۔

وما کانوا خالدین (الانبیاء ع ۱) وہ ہمیشہ رہنے والے نہ تھے۔

اس قسم کی آیتوں میں تو ہر رسول کا ذکر صرف ضمناً و استطراداً ہے باقی دوسری آیتوں میں آپ کی وفات یا فنا پذیری کا ذکر صراحتہً ہے مثلاً۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم (آل عمران ع ۱۵)

محمد تو بس ایک پیغمبر ہیں۔ پیغمبران سے پہلے بھی بہت سے گزر چکے ہیں۔ تو اگر یہ وفات پا جائیں یا ہلاک کر ڈالے جائیں تو کیا تم تو پچھلے پیروں واپس چلے جاؤ گے۔

اور کہیں اس قسم کے الفاظ ہیں۔

وان ما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب (الرعد ع ۶)

اور جس عذاب کا وعدہ ہم ان (کافروں) سے کر رہے ہیں اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں تو آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ ہے اور حساب لینا ہمارا ہی کام ہے

اور کہیں اس سے ملتے جلتے الفاظ یوں آئے ہیں۔

وان ما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فالینا مرجعھم (مومن ع ۸)

اور جس عذاب کا وعدہ ہم ان (کافروں) سے کر رہے ہیں اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں تو ہمارے پاس تو انہیں واپس آنا ہی ہے۔

اور یہ مضمون انہیں آیتوں میں نہیں اور بھی متعدد آیتوں میں آیا ہے۔ اور اس تکرار سے مقصود مخاطبین کو رسول اللہ کی بشریت اور وفات پذیری سے خوب مانوس کر دینا ہے۔ اور ایک جگہ تو انتہا یہ ہے کہ اس خاص وصف کے لحاظ سے رسول مقبول اور کفار معاندین کو بالکل ایک ہی صف میں رکھ دیا گیا ہے

انک میت وانھم میتون

آپ بھی موت پانے والے ہیں اور یہ لوگ

(الزمر ع ۳) بھی موت پانے والے ہیں۔

عبدیت: قرآن نے بتایا کہ حضرات انبیاء کے لئے کوئی ننگ و عار کی چیز نہیں۔ فخر و مباہات کی بات ہے۔ حضرت مسیح کا نام لے کر ہے۔

لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا للّٰہ — مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔ (النساء ع ۲۴)

رسول برحق صلعم کی زبان سے یہاں تک کہلا دیا گیا۔ کہ اوروں اور میں خود اپنی ذات کو بھی نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ما شاء اللّٰہ — آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات تک کے لئے تو نقصان و نفع کا اختیار رکھتا نہیں ہوں مگر ہاں جتنا اللہ کو منظور ہو۔ (یونس ع ۵)

اور یہی مضمون ایک ہلکے نام لفظی فرق کے ساتھ سورۃ الاعراف ع ۲۳ میں دہرایا ہے۔

مشرکانہ مذہبوں کا ذکر نہیں۔ مسیحیت تو اصلاً ایک توحیدی دین ہے اس تک میں تشفیع مطلق حضرت مسیح کو ٹھہرالیا گیا ہے۔ بلکہ روز جزا کے گویا حاکم و مالک ہی وہی ہوں گے۔ اور جس کو چاہیں گے اپنے اختیار سے جنت دوا دیں گے۔ قرآن مجید نے اس کے برعکس رسول اسلام کی زبان سے یہاں تک کہلایا ہے۔

وما ادری ما یفعل بی ولا بکم — اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ اور تمہارے ساتھ کیا۔ (الاحقاف ع ۱)

اور خیر یہاں تو معاملہ حشر کے علم کی نفی رسول کی زبان سے کرائی گئی۔

دوسری جگہ علم غیب کی نفی کہنا چاہیئے کہ مطلق صورت میں ہے۔

ولو کنت اعلم الغیب	اگر میں غیب کا علم رکھتا ہوتا تو اپنے لئے بہت
لاستکثرت من الخیر وما مسنی	سے نفع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت میرے
السوء ان انا الا نذیر و بشیر	اوپر واقع نہ ہوتی۔ میں تو محض ڈرانے والا اور
لقوم یومنون	بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان
(الاعراف ع ۲۳)	رکھتے ہیں۔

رسولؐ کی بشریت ایک اور لطیف و نادر طریقہ سے بھی قرآن مجید نے ظاہر کر دی ہے۔ یعنی انجام کے ساتھ حضورؐ کے مادی اجزائے جسم، اعضاء اور شکل و شمائل کے اہم جزئیات کا بھی ذکر اپنے صفحات میں کر دیا ہے۔ اور اس طرح کہنا چاہیئے کہ سراپائے مبارک کا ایک خاکہ قرآن مجید کی مدد سے تیار ہو جاتا ہے۔

فانما یسرناہ بلسانک لعلھم	ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان سے آسان ہی
یتذکرون۔ (الدخان ع ۳)	کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں۔

زبان مبارک کا تذکرہ ایک دوسرے موقع پر بھی موجود ہے۔

لا تحرک بہ لسانک	(اے پیغمبرؐ) آپ قرآن پر زبان نہ ہلایا کیجئے
لتعجل بہ (القیامۃ ع ۱)	کہ آپ اسے جلدی جلدی لیں۔

زبان کے وجود کا اثبات اور وہ بھی دو دو جگہ، خواہ مجوزہ اور بلا مقصد نہیں۔ اس سے جہاں ایک طرف حضورؐ کے جسد ظاہری کا اکرام ظاہر ہوتا ہے۔ وہاں مخاطبین کو یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ اس عبد محترم کا جسد و قالب گوشت و پوست کے انہیں لوازم کے ساتھ تھا۔ جو نوع بشری کے لئے عام ہیں ــــ زبان کے ساتھ دل کا

ذکر بھی آیا ہے قلب اور فواد دونوں لفظوں کے ساتھ دو جگہ۔ چنانچہ پہلی جگہ۔

قل من کان عدوا لجبریل فانه نزله علی قلبک باذن اللہ (البقرہ ع ۱۲)

آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبرائیل سے دشمنی رکھتا ہے تو انہیں نے تو یہ قرآن آپ کے قلب پر خدا کے حکم سے اتارا ہے۔

دوسری بار ایک اور سورۃ میں۔

نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین (الشعراء ع ۱۱)

اس قرآن کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔ آپ کے قلب پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

لفظ فؤاد کے ساتھ پہلا ذکر یوں آیا ہے۔

ما کذب الفؤاد ما رای (النجم ع ۱)

قلب (مبارک) نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی۔

چشمان مبارک کے ذکر سے بھی یہ صحیفہ خالی نہیں۔

منصب نبوی کو مخاطب کرکے ارشاد ہوتا ہے۔

ولا تمدن عینیک الی ما متعنا به ازواجا منهم (الحجر ع ۶)

اور آپ ہرگز آنکھیں اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھئے جن سے ہم نے ان کافروں کے مختلف گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے۔

چشم مبارک کی بصارت کا ذکر بھی اس صحیفۂ یزدانی میں جگہ پائے ہوئے ہے۔

ما زاغ البصر وما طغیٰ (النجم ع ۱)

نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی۔

روئے مبارک کا تذکرہ تو شاید اور زیادہ ضروری تھا۔ اس سے یہ کتاب آسمانی کیسے خالی رہتی حکم تحویل قبلہ کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

قد نری تقلب وجهك في السماء — ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے تھے۔ (البقرہ ع ۱۷)

اور پھر اسی آیت کے اندر انہیں الفاظ سے متصل۔

فول وجهك شطر المسجد الحرام — پس آپ پھیر لیا کیجئے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔

اور پھر چند سطروں بعد انہیں الفاظ کی تکرار دوسری اور تیسری بار۔ اور روئے مبارک کو دین کی طرف یکسو رکھنے کا حکم سورۂ روم میں دوبار قریب ہی قریب ہے

فأقم وجهك للدين حنيفا — سو آپ اپنا رخ دین کی طرف یکسو ہو کر رکھئے (الروم ع ۴)

فأقم وجهك للدين القيم — سو آپ اپنا رخ اس دین راست کی طرف رکھئے۔ (الروم ع ۵)

اور ایک جگہ حکم کی صورت میں آپ سے خطاب ہوا ہے کہ

فإن حاجوك فقل أسلمت وجهي لله — اگر یہ (مشرکین) پھر بھی آپ سے حجتیں نکالیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر ہی چکا (آل عمران ع ۲)

اور ایک اور جگہ زبان مبارک سے یہ کہلایا گیا ہے۔ کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ

وأن أقم وجهك للدين حنيفا — اپنا رخ دین کی طرف یکسو ہو کر رکھنا (یونس ع ۱۱)

چشم مبارک کے علاوہ گوشِ مبارک کا بھی ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ اگر صراحۃً نہیں تو دلالۃً تو بہرحال۔ مثلاً منافقین مدینہ کا قول نقل ہوا ہے۔

یقولون ھو اذن قل اذن خیر لکم۔ (التوبہ ع ۸)

یہ کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سنتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ آپ کان دے کر وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بہتر ہے۔

اب سینۂ مبارک کی طرف آئیے۔ اور اس کا عکس اس آئینۂ آسمانی میں ملاحظہ فرمائیے:۔

الم نشرح لک صدرک (الانشراح)

کیا آپ کا سینہ ہم نے آپ کے لئے کھول نہیں دیا ہے۔

اور پشت مبارک کے ذکر کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں اسی کے متصل موجود ہے۔

ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک۔ (ایضاً)

اور آپ سے آپ کا وہ بوجھ دور کر دیا جو آپ کی پشت کو توڑے ڈالتا تھا۔

اور ان اعضائے جسد کے علاوہ قرآن معرضِ بیان میں حضورؐ کے بعض اعمال و حرکات جسمانی کو بھی لایا ہے۔ مثلاً حضورؐ کا اٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ کھانا پینا اور نماز اور عام عبادتیں۔ مثلاً:۔

الذی یرٰک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین۔ (الشعراء ع ۱۱)

وہ اللہ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور آپ کی نشست برخاست نمازیوں کے ساتھ۔

یا منکرین مشرکین کی زبان سے۔

ما لھذا الرسول یاکل الطعام	ان رسول کو یہ ہے کیا کہ کھانا بھی کھاتے ہیں
ویمشی فی الاسواق۔ (الفرقان ع ۱)	اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔

یا پھر اس قسم کی آیتیں:-

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای	آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری ساری
ومماتی للہ رب العالمین	عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت
(الاعراف ع ۲۰)	سب اللہ پروردگار عالم کے لئے ہیں۔

حیات اور ممات دونوں کا ذکر اس آیت میں آگیا۔ ایک جگہ مشرکین کو مخاطب کرکے عمر شریف کا بھی حوالہ آپ ہی کی زبان مبارک سے دیا گیا ہے۔

فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ	میں اس (دعویٰ نبوت) سے قبل بھی تو ایک عمر
(یونس ع ۲)	تک تمہارے درمیان رہ چکا ہوں۔

اسی طرح ایک جگہ اور قوم لوط کی خرمستی کو آپ کی عمر یا جان کی قسم کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

لعمرک انھم لفی سکرتھم	آپ کی جان کی قسم وہ لوگ اپنی مستی میں
یعمھون۔ (الحجر ع ۵)	مدہوش تھے۔

خطبہ (۵)

ہجرت

حضور کا مولد جیسا کہ آپ پہلے سن آئے ہیں۔ ابراہیمی شہر مکہ پاک تھا۔ جس کے صفاتی نام مثلاً ام القریٰ۔ البلد الامین۔ المسجد الحرام بھی قرآن مجید میں آ چکے ہیں۔ جب یہاں آپ پر اور آپ کے پیروؤں پر سختی حد سے گزر چکی اور اذیت ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی۔ تو آپ کو حکم اس شہر سے ہجرت کر جانے کا ملا۔ ہجرت محض کسی مقام سے دوسرے مقام کو منتقلی کا نام نہیں اصطلاح شریعت میں اس ترک سکونت یا نقل مکانی کو کہتے ہیں۔ جو دین کے تحفظ کی خاطر یا احکام الٰہی کی تعمیل میں اختیار کیا جائے۔

مظلوم طبقہ جس میں کیا مرد کیا عورتیں اور کیا بچے سب ہی شامل تھے۔ اس کی زبان پر فریاد مدت سے جاری تھی۔

والمستضعفین من الرجال — اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں مرد بھی ہیں۔

والنساء والولدان الذین — اور عورتیں بھی اور بچے بھی۔ جو دعا کر رہے ہیں

یقولون ربنا اخرجنا من هذه القریة — کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے باہر نکال

الظالم اھلھا (النساء ع ۱۰) جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں۔

رسولؐ کی ذات، اور رسولؐ کی دعوت یا مشن کے ساتھ تمسخر تو ان کی عام عادت بن گئی تھی۔ دعوت کو قبول کرنا الگ رہا۔ اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کے بھی روادار نہ تھے۔

واذا رآک الذین کفروا ان یتخذونک الا ھزوا (الانبیاء ع ۳)
جب آپ کو یہ کافر (یعنی مشرکین مکہ) دیکھتے ہیں تو بس آپ سے مسخرہ پن کرنے لگتے ہیں۔

اور اپنے خیال میں ہنسی اڑاتے ہوئے، بناتے ہوئے ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ
اھذا الذی یذکر آلھتکم وھم بذکر الرحمان ھم کافرون (ایضاً)
کیا یہی وہ حضرت ہیں جو تمہارے معبودوں کی بدگوئی کرتے ہیں! اور وہ خود ان کا یہ حال ہے کہ رحمٰن کے ذکر پر یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔

اور یہی مضمون تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک دوسری جگہ بھی قرآن میں نقل ہوا ہے
واذا رأوک ان یتخذونک الا ھزوا اھذا الذی بعث اللہ رسولاً (الفرقان ع ۴)
اور جب یہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ) آپ کو دیکھتے ہیں تو بس تمسخر ہی کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ حضرت ہیں جنھیں اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

گویا دعویٰ نبوت ان لوگوں کے نزدیک سرے سے ناقابل قبول بلکہ ناقابل التفات تھا۔ اور بڑا حربہ ان لوگوں کے ہاتھ میں یہی تمسخر و استہزاء کا تھا۔ ہر طرح آپ کی ہنسی اڑاتے اور آپ کی تعلیم کو مسخرہ و نتیجہ سحر بتلاتے چنانچہ رسولؐ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے:-

بل عجبت و یسخرون و اذا	آپ تو تعجب کرتے ہیں اور وہ ہنسی اڑاتے ہیں
ذکروا لا یذکرون و اذا راوا آیۃ	اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت نہیں
یستسخرون وقالوا ان ھذا الا	سنتے۔ اور جب کوئی سی نشانی دیکھتے ہیں تو کہتے
سحر مبین (والصافات ع ۱)	ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور بس۔

آخر تجویزیں آپ کو قید میں ڈال دینے کی ہونے لگیں۔ مشورے آپ کی جلاوطنی کے شروع ہو گئے۔ اور منصوبے آپ کے قتل کے ہونے لگے۔ سیرۃ کی کتابوں میں یہ واقعات تفصیل سے آئے ہیں۔ قرآن مجید نے ایجاز و جامعیت کے ساتھ یہ بتا دیا کہ۔

واذ یمکربک الذین کفروا	اور جب یہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ) آپ کی
لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک	نسبت یہ سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں
(الانفال ع ۴)	یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں

یہ چالیں بڑی گہری اور یہ تدبیریں بڑی زہریلی تھیں۔ ایسی کہ ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو خود اپنی حکمت و تدبیر کا ذکر کرنا پڑا۔

ویمکرون ویمکر اللہ	وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر
(ایضاً)	کر رہا تھا۔

آپ کے گنتی کے پیرو اور رفیق اپنی کم عددی، قلت اور ہر طرح کے معاشی ضعف اور ماندگی میں پڑے رہتے تھے اور پناہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ قرآن مجید نے اس دور کے ختم ہو جانے پر اس کا جو ذکر کیا ہے۔ اس سے اس پر پوری روشنی پڑ گئی۔

واذکروا اذ انتم قلیل	اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے اور
مستضعفون فی الارض تخافون	ملک میں کمزور شمار کئے جاتے تھے اور اس اندیشہ

ان یتخطفکم الناس فآواکم — ہیں ڈرا کرتے تھے کہ تم کو یہ لوگ (یعنی مشرکین

(الانفال ع ۳) — مکہ) نوچ کھسوٹ نہ لیں۔ پھر اللہ نے تمہیں جگہ دی

قرآن مجید ذکر کرتا ہے کہ جب مظلومین کو حکم ہجرت کا ملا اور ان میں سے بعض پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ تو نزع کے وقت ان سے اور ملائکہ سے مکالمہ اس قسم کا ہوگا۔

قالوا کنا مستضعفین فی الارض — وہ کہیں گے کہ ہم ملک میں محض مغلوب اور

قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ — بے بس تھے فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین

فتھاجروا فیھا — وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کرکے اس میں چلے

(النساء ع ۱۴) — جاتے؟

اور یہ حکم ہجرت قانون رحمت تھی۔ یہ مظلوم بیچارے تو خود ہی دعائیں مانگنے لگے تھے کہ ظلم و ستم کے اس ماحول سے کہیں نجات حاصل ہو جیسا کہ ابھی چند منٹ قبل سورۃ النساء رکوع ۱۰ کے حوالے سے آپ سن چکے ہیں۔

ایک جگہ انہیں مظلوم مسلمانوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

یخرجون الرسول وایاکم ان — یہ لوگ رسول کو اور تم کو بھی نکال رہے ہیں

تومنوا باللہ ربکم — (محض سے) اس بات پر کہ تم اپنے پروردگار

(الممتحنہ ع ۱) — اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک جگہ اور انہیں مظلوم مسلمانوں کا ذکر کرکے ارشاد ہوا ہے۔

فالذین ہاجروا واخرجوا من — سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو لوگ اپنے

دیارھم واوذوا فی سبیلی۔ — گھروں سے نکالے گئے اور جنہیں میری راہ میں

(آل عمران ع ۲۰)　　تکلیفیں پہنچائی گئیں۔

یہ لفظ اوذوا فی سبیلی (میری راہ میں تکلیفیں پہنچائی گئیں) ہر قسم کی اذیتوں کا جامع ہے سیرۃ کی کتابوں میں بعض بعض اذیتیں ایسی درج ہیں کہ انہیں پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس لفظ اوذوا کے بجائے قرآن میں کہیں کہیں دوسرے لفظ ما ظلموا　ما فتنوا　جو آئے ہیں، سب اسی حقیقت کے ترجمان ہیں۔ کہ دین مومنین پر ان کے سرداروں پیشوا سمیت زندگی تنگ کر دی گئی تھی۔

بالآخر حکم ترک وطن ملا۔ مظلومیت اور بے سرو سامانی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ راستے لیے سفر میں مسلسل رفیق آپؐ صرف ایک صاحب کو رکھ سکے۔ سفر اختفاء کے ساتھ ہوا اور کہیں کسی پہاڑی غار میں چھپنا پڑا۔ اس تنہا رفیق سفر کا بھی ذکر قرآن مجید نے اسی سفر ہجرت کے سلسلے میں کیا ہے۔

اذ اخرجه الذین کفروا ثانی　　جبکہ آپ کو کافروں نے (وطن سے) نکال دیا
اثنین اذ هما فی الغار　　تھا، ان دو میں سے ایک آپ تھے جس وقت
(التوبہ ع ۵)　　کہ وہ دونوں غار میں تھے۔

آپؐ کا سکون قلب اور اعتماد علی اللہ اس حال میں بھی برابر قائم رہا۔ قرآن کی شہادت ہے۔

اذ یقول لصاحبه لا تحزن　　جب کہ آپؐ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے
ان الله معنا　(ایضاً)　　کہ غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

شہر مدینہ، مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور

سطح سمندر سے ۵۰ ہزار فٹ کی بلندی پر۔ اونٹ کی سواری پر یہ فاصلہ یوں بھی خاصہ طویل تھا۔ پھر جب کہ سفر کو مخفی رکھنے کی غرض سے آپ نے راستہ اور زیادہ پیچیدہ و طویل اختیار کیا تھا۔ سفرِ ہجرت کی ساری سرگزشت اگر ایک طرف توکل و اعتماد علی اللہ وغیرہ آپؐ کی اخلاقی صفات کی ترجمان ہے۔ تو دوسری طرف قابلیت تنظیم اور خوش تدبیری وغیرہ اعلا صفاتِ عقلی کی بھی شاہد ہے۔

مدینہ پہنچ کر بھی دشواریوں اور شدید مخالفتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ صرف ان کا رخ یا پہلو ذرا بدل گیا۔ ایک نیا سابقہ منافقین کے زبردست اور صاحبِ اثر گروہ سے پڑا۔ یہ زبان پر دعویٰ اسلام کا رکھتے تھے۔ لیکن دل سے منکر تھے۔ اور محض منکر ہی نہیں۔ معاند بھی تھے۔ اور دوسرے دشمنانِ اسلام کی سازشوں میں شریک۔ ان میں زیادہ تر تو مشرکین مدینہ تھے اور کچھ یہود بھی۔ ان کا مفصل تذکرہ کسی مستقل عنوان کے ماتحت آپ آگے چل کر سنیں گے۔ یہاں سلسلۂ بیان میں صرف اتنا سن لینا کافی ہوگا کہ ان کی چالبازیوں کی بات قرآن مجید نے بار بار دہرائی ہے اور یخادعون اللہ والذین آمنوا انھیں کے لئے فرمایا ہے۔ یعنی یہ دھوکا دینا چاہتے ہیں یا دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ کو اور مومنین کو۔

دوسرا نیا سابقہ یہاں آکر آپ کو اہلِ کتاب سے پڑا خصوصاً یہود سے اور ان سے طرح طرح کے مناقشے رہے۔ یہ سرگزشت بھی آگے چل کر آپ سنئے گا۔

تیسری نئی بات یہ پیش آئی کہ آپ کو غزوے یا دینی خارجے ایک نہیں متعدد کرنے پڑے۔ زیادہ تر تو مشرکین مکہ اور دوسرے عرب قبائل کے خلاف اور کبھی کبھی قبائل یہود کے مقابلہ میں بھی۔ اس کی تفصیل بھی ایک آئندہ صحبت کے لئے اٹھا رکھئے۔

اور چوتھی بات جو اس صورت حال سے بطور نتیجہ کے پیدا ہوئی یہ ہے کہ آزادی رخود مختاری مل جانے سے آپ کو مدینہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد ڈالنے، اس کے لیے قانون و آئین منضبط کرنے اور طرح طرح کے احکام جاری کرنے کی ضرورت بھی آپڑی۔ یہ احکام کچھ تو بذریعہ وحی نازل ہوتے رہے۔ اور قرآن مجید میں جگہ پاتے رہے۔ اور کچھ رسول نے اپنے اجتہاد سے یا قرآن مجید سے استنباط کر کے صادر فرمائے۔

منافقین مدینہ کی شدت نفاق کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں ہے۔

ومن اہل المدینۃ مردوا علی النفاق (التوبہ ع ۱۳) — مدینہ والوں میں ایسے بھی ہیں، جو نفاق پر اڑ گئے ہیں۔

ان پختہ منافقین کے علاوہ اور بھی کچھ آبادی مدینہ والوں کی ایسی تھی، جو ایمان کے باب میں دو دلی سے ہو رہی تھی۔ یہ کچے اور مذبذب ایمان والے بھی منافقوں کے شریک ہو کر طرح طرح کی افواہیں شہر میں مسلمانوں کو ڈرانے سہمانے کے لیے اڑاتے رہتے تھے۔ اور گویا آج کل کی اصطلاح میں ایک سرد جنگ حزب محمدی کے خلاف جاری کئے ہوئے تھے۔ قرآن مجید میں المنافقون پر عطف کر کے ان کا ذکر بھی آیا ہے۔

والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ (الاحزاب ع)

اگر منافقوں کو شرارت جنگ میں کبھی مسلمانوں میں شامل ہو کر نکلنا پڑتا بھی تو کہتے کہ۔

لئن رجعنا الی المدینۃ — ہم اگر مدینہ واپس پہنچے۔ تو ہم میں سے

لیخرجن الاعز منھا الاذل۔	جو گروہ زبردست ہے وہ زیردستوں کو
(المنافقون ع ۱)	یقیناً نکال باہر کرے گا۔

اور زبردست و غالب فریق سے اشارہ ظاہری ہے کہ انکا اپنی ہی طرف ہوتا۔ اور زیردستوں اور مغلوبوں سے مسلمانوں کے جانب۔

اسی طرح ایک بار ایک جنگ کے موقع پر۔ عین میدان جنگ سے ان منافقین نے دوسروں کو بھڑکا کر واپس لے جانا چاہا تھا۔ قرآن مجید میں ذکر اس کا بھی موجود ہے۔

واذ قالت طائفۃ منھم یا	اور وہ وقت یاد کرو جب ان میں سے
اھل یثرب لا مقام لکم فارجعوا	ایک گروہ کہنے لگا تھا، اے یثرب والو ٹھہرنے
(الاحزاب ع ۲)	کا موقع نہیں واپس چلے چلو۔

مدینہ کا قدیم نام یہی یثرب تھا۔ اور اصلاً یہ یہود کا مسکن تھا۔ مدینۃ النبی پر ہجرت نبوی کے بعد کہلایا۔ اور پھر صرف المدینہ رہ گیا۔

اس شہر سے ہٹ کر۔ بجز عارضی جنگی ضرورتوں یا حج وغیرہ کے کہیں اور آپ کے تشریف لے جانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں۔ اور نہ سیرۃ و تاریخ ہی میں آتا ہے۔ یہیں قیام آخر عمر تک رہا۔ وفات شریف یہیں ہوئی۔ اور یہیں مدفون ہے۔

خطبہ (۴)

غزوات و محاربات

قرآن مجید اس حقیقت پر شاہد و ناطق ہے کہ رسول کریم کی عمر مبارک کا ایک حصہ قتال و غزا میں بھی گزرا ہے۔ اور چونکہ قیام مدینہ کے دوران میں گزرا اس لئے لازمی طور پر یہ عمر شریف کا آخری حصہ تھا۔ ملک کا جو احول تھا اور ہر طرف جو فضا تھی۔ اس نے اس صورت حال کو ناگزیر بنا دیا تھا۔ قتل و غارت، ظلم و فساد، غصب حقوق و رہزنی۔ غرض کوئی بات جرم و عصیان کی اٹھ نہیں رہی تھی اور ایک عرب ملک کیا معنی کل دنیا میں اخلاقی ابتری یا انارکی پھیلی ہوئی تھی قرآن مجید کے جامع الفاظ میں۔

ظھر الفساد فی البر والبحر — بگاڑ پھیل گیا ہے خشکی اور تری میں سب کہیں
بما کسبت ایدی الناس (الروم ع۵) — لوگوں کے اپنے کرتوتوں سے۔

مومنین کا طبقہ جو ہر مفسدہ کی اصلاح کا بیڑا ہی اٹھا کر وجود میں آیا تھا، اور جس کے پروگرام میں اللہ کی زمین پر صحیح عدالت و ربانی ریاست کا قیام داخل تھا وہ خود ہی ظالموں اور کافروں کے ہاتھ سے ظلم و ستم کا خصوصی تختہ مشق بنا ہوا تھا۔

اپنے مولد و مرکز یعنی شہر مکہ میں اللہ کے رسول اور اس کے پیروؤں پر جو گزر رہی، اس سے آپ ہجرت کے ذیل میں واقعات سن کر کچھ واقف ہی ہو چکے ہیں۔ اب وقت وہ ہے کہ مکہ کے یہ مظلوم مہاجر ملک کے ایک دور دراز شہر یثرب میں آکر آباد ہو گئے ہیں۔ اور اس کا نام مدینۃ النبی پڑ چکا ہے۔ لیکن مظلومیت میں اب بھی کچھ فرق نہیں پڑا ہے بلکہ مصائب کا بار کچھ اور سے کچھ گراں تر ہی ہوتا جا رہا ہے۔ جب حالات اس درجہ ناقابل برداشت ہو چکے، اور صبر و ضبط اپنی حد کو پہنچ چکا۔ تو اب اذن خداوندی ان مردانِ خدا کو ملا، کہ اب تم بھی اس ظلم کے خلاف تلوار اٹھاؤ، اور جو تم پر ظلم و زیادتی کر رہے ہیں۔ ان کا مقابلہ مردانہ وار تم بھی کرو۔

اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله

(الحج ع ۶)

جن لوگوں کے خلاف قتال کیا جا رہا ہے، اب انہیں بھی اذن قتال دیا جاتا ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنہیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے بغیر کسی قصور کے سوا اس کے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

---

[1] صاحب سیرۃ النبی، مولانا شبلی کے الفاظ میں، یہ ہے جو سنن ابی داؤد میں ہے۔
"قریش مکہ نے سرداران مدینہ عبداللہ بن ابی کو تحریر کر دیا تھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے، تو یا تو اسے قتل کر دو یا اپنے ہاں سے نکال دو۔ ورنہ ہم تم پر چڑھ دوڑیں گے، اور تمہیں ختم کر کے تمہاری عورتوں کو اپنے تصرف میں لے آئیں گے"

تو قتال کی اجازت مومنین کو جبھی ملی۔ جب ان کی مظلومیت کمال کو پہنچ چکی تھی اہل تفسیر کہتے ہیں کہ یہی سب سے پہلی آیت ہے جو اجازت قتال کے بارے میں نازل ہوئی
ایک اور قول نقل ہوا ہے کہ پہلی آیت قتال کی یہ نہیں، بلکہ یہ ہے۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین	قتال کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے
یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ	قتال کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بیشک اللہ
لا یحب المعتدین۔ (البقرہ ع ۲۴)	زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بہرحال سلسلۂ قتال کی پہلی آیت وہ ہو یا یہ ظاہر ہے کہ حکم قتال مومنین کو جبھی ملا جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ زمانۂ قیام مکہ میں مشرکین مکہ نے آپ کے ساتھ جو حرکتیں کیں ان سے تو آپ لوگ واقف ہو ہی چکے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ترک وطن کے بعد بھی عناد و جدال سے نہ گیا۔ اور اتنے دور بلکہ اس وقت کے معیار سے دور دراز شہر میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی معاندانہ کارروائیاں برابر جاری رہیں ـــــ غرض یہ کہ حکم قتال کی تعمیل میں آپ نے خود بھی قتال شروع کیا۔ اور اسی کا نام اصطلاح فقہ میں جہاد پڑ گیا۔ ورنہ محض جنگ کے لئے اب تک لفظ حرب عام تھا۔ رسول اللہ صلعم کی ان ربانی مہموں کے لئے محدثین و فقہاء کے ہاں اصطلاح غزوات کی رائج ہے حضورؐ نے غزوات متعدد فرمائے۔ محدثین و اہل سیر کے ہاں ان کی تعداد ۱۹ یا ۲۱ درج ہے۔ آئیے ان میں سے اہم ترین پر قرآن مجید کی روشنی میں نظر کرتے چلیں۔

غزوۂ بدر

پہلا بڑا غزوہ، غزوۂ بدر کہلاتا ہے۔ اس مناسبت سے کہ یہ مقام بدر پر واقع ہوا تھا۔ بدر ایک سرسبز منڈی اور منزل کا نام تھا۔ جو مدینہ کے جنوب مغرب میں وہاں سے تین یا چار منزل کے فاصلہ پر تھی۔ قرآن مجید

میں اس غزوہ کا بیان آیا ہے۔ اشارۃً کنایۃً نہیں بلکہ تصریح سے اور اس تفصیل کے ساتھ جس کا یہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے مستحق بھی تھا۔ ختم غزوہ کے ایک عرصہ بعد ایک دوسرے موقع پر اس کا تذکرہ نہ صرف نام کی صراحت کے ساتھ۔ بلکہ محل امتنان پر بھی لایا گیا ہے۔

ولقد نصرکم اللّٰہ ببدر وانتم اذلۃ فاتقوا اللّٰہ لعلکم تشکرون (آل عمران ع ۱۳)	اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تمھاری مدد بدر میں کی۔ درانحالیکہ تم بہت کمزور تھے۔ پس اللہ سے تقویٰ اختیار کرو شاید کہ شکر گزار بن جاؤ۔

لشکر اسلام کی اس کمزوری کی تفصیل و تشریح حدیث و سیرۃ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ مختصر یہ کہ مسلمان تعداد میں بھی بہت کم تھے۔ اور سامان جنگ کے لحاظ سے بھی بہت پست تھے۔ اس لئے بہت سے مسلمان قدرتاً اس موقع پر جنگ سے بچنا چاہتے تھے لیکن اللہ اپنے فضل سے۔ لشکریوں کے اس تذبذب کے باوجود سردار لشکر کو میدان جنگ میں لے آیا۔

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین لکارھون (الانفال ع ۱)	جس طرح آپ کا پروردگار آپ کو اے پیغمبر! حق کے ساتھ آپ کے گھر سے باہر نکال لے آیا حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا

اپنے ضعف، قلت سامان۔ غرض ہر بات سے ان لوگوں کا تامل ایک امر طبعی تھا۔ اور یہ ایسے نامساوی معرکہ کو خودکشی کا مرادف سمجھ رہے تھے۔ اور اسی لئے وہ رسول اللہ سے بحث کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔

یجادلونک فی الحق بعد ماتبین	یہ لوگ آپ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے جھگڑتے

كانما يساقون الى الموت وهم ينظرون (الانفال ع ۱) — گویا کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں۔

آگے بڑھنے سے قبل یہ حصہ جملہ معترضہ کے یہ بھی سن لیجئے کہ یہی وہ اسلامی فوج ہے جس کے لئے مغربی اہل قلم کا یہ مستقل مفروضہ ہے کہ یہ مال غنیمت اور لوٹ مار کے حریص مشرکوں پر خواہ مخواہ ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ قرآن مجید کی شہادت اس کے بالکل برعکس واضح و صریح یہ ہے کہ انہیں بعض اوقات کھینچ کھانچ کر میدان میں لانا پڑتا تھا

ہاں اب پھر اصل قصہ سنئے۔ اس وقت مسلمانوں کو احتمال دو نظر آ رہے تھے ایک یہ کہ ممکن ہے مڈبھیڑ قریش کی فوج سے ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ مقابلہ کی نوبت صرف تجارتی قافلۂ قریش سے رہے جو شام سے واپس ہو رہا تھا اور وعدۂ نصرت الٰہی کے باوجود مسلمان طبعی طور پر پسند اس آسان ترشق کو کر رہے تھے۔ اور آرزو یہ رکھتے تھے کہ سامنا فوجی خطرہ کا نہ کرنا پڑے بلکہ محض کاروان تجارت سے نپٹ کر واپس چلے آئیں قرآن مجید کا پورا بیان سنئے:۔

واذ يعدكم الله احدى الطائفتين انها لكم وتودون ان غير ذات الشوكة تكون لكم ويريد الله ان يحق الحق بكلمته ويقطع دابر الكافرين ليحق الحق ويبطل الباطل ولو كره المجرمون (الانفال ع ۲) — اور اللہ جب تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لئے ہے اور تم آرزو رکھتے تھے کہ وہی گروہ تم کو ملے جس میں کوئی خدشہ نہ تھا نہ (؟) نہیں، حالانکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے۔ چاہے یہ مجرموں کو ناگوار ہی گزرے۔

لشکر اسلام اس وقت زیادہ اضطراب برپا کر رہا تھا۔ فریاد رائگاں نہ گئی۔ سن لی گئی اور دلوں میں اطمینان مزید پیدا کرنے کی غرض سے ارشاد بھی صادر ہو گیا کہ تمہاری امداد کو فرشتے بھی ایک ہزار بھیجے جا رہے ہیں۔ قرآن مجید نے اس اہم ترین غزوۂ محمدی کی یہ تفصیل بھی محفوظ رکھی ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے:۔

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملٰئکۃ مردفین وما جعلہ اللہ الا بشریٰ ولتطمئن بہ قلوبکم وما النصر الا من عند اللہ ان اللہ عزیز حکیم (انفال ع ۱)

یاد کرو وہ وقت جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے۔ اس نے تمہاری سن لی اور فرمایا کہ میں تمہاری مدد ایک ہزار مسلسل آنے والے فرشتوں سے کروں گا۔ اور اللہ نے یہ صرف تمہارے خوش کرنے اور تمہارے دلوں کو اطمینان دینے کو کیا۔ ورنہ فتح (صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

اسی جنگ کے دوران میں یہ ہوا کہ حکمت خداوندی سے بارش عین وقت پر اور ایسے موقع سے ہوئی کہ نفع تمام تر مسلمانوں ہی کے فریق کو پہنچا، اور اس سے ان کے وضو غسل وغیرہ کی ضرورتیں سب پوری ہو گئیں اور یہ وسوسۂ شیطانی ان کے دل سے دور ہو گیا، کہ مخذول کہیں ہم ہی تو نہیں۔ نیز اخص نیند کی جھپک بھی آ گئی جس سے وہ تازہ دم ہو گئے۔ دیکھئے قرآن مجید ان سارے جزئیات کو کس طرح اپنے احاطۂ بیان میں لئے ہوئے ہے:۔

اذ یغشیکم النعاس امنۃ منہ و یاد کرو وہ وقت جب اللہ اپنی طرف سے تم پر

يُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ (الانفال ع ۲)

غنودگی طاری کر رہا تھا تمہارے سکون کے لئے اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک صاف کر دے اور تم سے وسوسۂ شیطانی دور کر دے۔ اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تم کو ثابت قدم رکھے۔

قرآن مجید کی اتنی آیتوں سے ضمناً اس کا اندازہ ہو گیا کہ قرآن مجید کا اسلوب بیان مورخوں اور اہل سیر کے انداز تحریر سے کتنا مختلف ہوتا ہے جس قسم کے جزئیات و تفصیلات اہل روایات کے ہاں جان سخن کا حکم رکھتے ہیں کتاب اللہ انھیں عموماً نظر انداز کر جاتی ہے اور جو گہری حقیقتیں پس پردہ بیان کرنی ہوتی ہے ان کی طرف عموماً راویوں کا ذہن بھی نہیں جاتا۔ بہرحال اللہ کو ان مخلص جانبازوں اور ان کے سرور و سردار کی خاطرداری اس حد تک منظور ہے کہ جو فعل ظاہری طور پر سرزد ان سے ہوئے، انھیں منسوب اپنی جانب فرما دیا ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:-

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال ع ۲)

ان (دشمنوں) کو تم لوگوں نے نہیں مارا، بلکہ اللہ نے مارا اور آپ نے مٹھی نہیں پھینکی جب پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اور لشکر اسلام کو فتح چونکہ اس معرکہ میں نمایاں اور قطعی ہوئی، اس لئے مشرکوں کو خطاب کر کے صاف صاف ارشاد ہوا، اور وعید و تنبیہ بھی انھیں پوری کر دی گئی۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ

اور اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تو تمہارے سامنے آموجود ہوا، اور تم باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کرو گے، تو

فئتکم شیئاً و لو کثرت وان اللہ مع المومنین
ہم بھی پھر وہی کریں گے۔ اور تمہارا مجمع تمہارے ذرا کام نہ آئے گا۔ خواہ وہ کیسا ہی بڑا ہو۔
(الانفال ع ۲)
اور اللہ تو مومنوں کے ساتھ ہے۔

اس معرکۂ بدر میں فتح رسول کریم کو ایسی کھلی ہوئی اور اسباب ظاہری کے مقتضا کے اتنے برعکس ہوئی کہ قرآن مجید نے اس کو علانیہ یوم الفرقان (فیصلہ کا دن) قرار دے دیا۔ اور یہ مورخین کو بھی اقرار ہے کہ اگر اسلام کو اس روز فتح کہیں نہ حاصل ہوگئی ہوتی۔ تو عرب ہی کی نہیں دنیا کی تاریخ کا رُخ ہی آج کچھ اور ہوتا! ایک ضمنی موقع پر یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:۔

ان کنتم امنتم باللہ وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔
اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن نازل کی یعنی اس دن جب کہ دونوں فریق باہم
(الانفال ع ۵)
مقابل ہوئے تھے۔

اور تو اور اس خاص معرکے کے میدان جنگ کا نقشہ تک قرآن مجید نے ایک خاص زاویۂ نظر سے پیش کر دیا۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے:۔

واذ انتم بالعدوۃ الدنیا وھم بالعدوۃ القصوی والرکب اسفل منکم
یہ وہ وقت تھا جب تم (میدان جنگ کے) قریبی کنارہ پر تھے اور وہ (یعنی لشکر مشرکین) دور کے کنارے پر اور کاروان
(ایضاً)
تجارت تم سے نشیب میں تھا۔

دُور اور قریب، آیت میں شہر مدینہ کی نسبت و اضافت سے ہے اور

یہ ارشادہ ہے ان جغرافی حقیقتوں کی جانب کہ مدینہ والے شمال و مشرق کی طرف سے آئے تھے ۔ اور مکہ والوں کا لشکر جنوب و مغرب کی سمت سے آیا تھا ۔ بدر کی زمین پہاڑی تھی اس لئے قدرتاً بلند اور قافلہ تجارت ساحل سمندر سے گزر رہا تھا ۔ جو قدرتاً ایک نشیبی علاقہ تھا ۔

رسول اللہ صلعم نے معرکۂ جنگ سے قبل ایک رؤیا میں لشکر کفار کو قلیل تعداد میں دیکھا تھا ۔ اور اسے صحابیوں سے بیان کیا تھا ۔

واذ یریکھم اللّٰہ فی منامک قلیلاً ولو اراکھم کثیراً لفشلتم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللّٰہ سلّم ۔ (الانفال ع ۵)	(یاد کرو وہ وقت) جب اللہ نے آپ کو خواب میں وہ لوگ آپ کو کم دکھائے اور اگر اللہ نے وہ لوگ تم لوگوں کو زیادہ دکھائے ہوتے تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں جھگڑا اس باب میں کرنے لگتے لیکن اللہ نے تم کو بچا لیا

خواب کی بات تو ختم ہوئی ۔ بیداری میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عین معرکۂ قتال میں ہر فریق دوسرے کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رہا ۔ اور اندازہ اصل تعداد سے کم ہی کرتا رہا ۔ اگر کہیں اس کے برعکس ہوتا ۔ تو عجب نہ تھا کہ کوئی ایک فریق یا دونوں فریق نبرد آزما ہونے کی ہمت ہی نہ کرتے اور اس طرح فیصلہ کی بات گول ہی رہ جاتی ۔ اس نفسیاتی حقیقت کو قرآن مجید یوں روشنی ڈالتا ہے ۔

واذ یریکموھم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلاً ویقللکم فی اعینھم	(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ نے ان لوگوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے

يقضي الله امرا كان مفعولا (الانفال ع ٥) — دکھایا۔ اور ان کی نظروں میں تمھیں کم کرکے تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دکھائے جو ہو کر رہنا تھا۔

سیرۃ کی کتابوں میں آپ نے قریش کے مشہور لیڈر ابوالحکم عمرو بن ہشام عرفی معروف بہ ابوجہل کی کبر و رعونت کا ذکر پڑھا ہوگا۔ قرآن مجید نے بھی لشکر قریش کی متکبرانہ ذہنیت کی طرف اشارہ تو کر ہی دیا ہے۔

ولا تكونوا كالذين خرجوا من ديارهم بطرا ورئاء الناس ويصدون عن سبيل الله (الانفال ع ٦) — اے مسلمانو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو جنگ کے لئے اپنے گھروں سے نکلے تو اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے۔ اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے۔

تاریخ کا بیان ہے کہ یہ غزوہ ۱۷ رمضان ۲ھ مطابق ۵ مارچ ۶۲۴ء کو پیش آیا تھا۔ غزوہ بدر کا ذکر تو نام کی تصریح اور پھر اتنی تفصیلات کے ساتھ جو قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس کی توقع کسی اور غزوۂ محاربہ سے متعلق تو نہ رکھئے۔ تاہم دوسرے اہم غزوات نبوی کے سلسلہ میں بھی اچھی خاصی رہنمائی قرآن سے ہو جاتی ہے۔

غزوۂ اُحد: ایک اور غزوہ کے ذکر کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

واذ غدوت من اهلك تبوئ المؤمنين مقاعد للقتال والله سميع عليم (آل عمران ع ١٣) — اور وہ وقت بھی یاد کیجئے اے پیغمبر! جب ایک صبح آپ اپنے گھر والوں کے پاس سے نکلے مسلمانوں کو قتال کے لئے مناسب مقام پہ لے جا رہے تھے اور اللہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔

ذکر جنگ اُحد کا ہے۔ اُحد مدینہ منورہ سے شمال کی جانب ایک پہاڑی ہے ڈھائی تین

جبل کے قاصد پر قریش جیسی خوددار اور خودبین قوم کو بدر میں جو شکست فاش نصیب ہوئی تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ اس پر چپکے ہو کر بیٹھ رہتے۔ اور اس کا انتقام نہ لیتے۔ ابوجہل کے قتل ہو جانے کے بعد اب ریاست مکہ کی خارجی و داخلی سیادت ابوسفیان صخر بن حرب اموی کے ہاتھ میں تھی۔ اور اسے اموی ہونے کی بنا پر رسول ہاشمی سے خاندانی دشمنی بھی تھی۔ رسولؐ اس صبح حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے برآمد ہوئے تھے۔ اذ غدوت من اھلک میں اشارہ اسی جانب ہے مقاعد للقتال کا لفظ بھی ناقابل توجہ نہیں۔ جنگ میں پوزیشن (Position) کی اہمیت تو آج بھی مسلم ہے اور فن حرب (ملٹری سائنس) کی تازہ کتابوں میں بھی صفحوں صفحہ اس کے لئے وقف رہتے ہیں۔ چہ جائیکہ اس دور میں جب جنگ نام ہی دست بدست جنگ کا تھا۔ ضمناً اس سے روشنی اس حقیقت پر بھی پڑ گئی کہ حضور صلعم ایک بہترین سردار فوج بھی تھے جیسا کہ حال میں ایک مسلم ملک کے ایک میجر جنرل نے اپنی کتاب حدیث دفاع میں تفصیل سے دکھایا ہے۔

اس سے آگے کی آیت بھی اہمیت میں کچھ کم نہیں۔

اذ ھمت طائفتان منکم	جب تم میں سے دو گروہ اس کا خیال کر بیٹھے تھے
ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی اللہ	کہ ہمت ہار دیں درآنحالیکہ اللہ ان دونوں کا
فلیتوکل المؤمنون۔	مددگار تھا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر اعتماد رکھنا
(ایضاً)	ہی چاہیے۔

سیرۃ کی کتابوں میں ان دونوں گروہوں یا ٹکڑیوں کے نام درج ہیں۔ ایک قبیلہ اوس کے بنی حارثہ کا تھا۔ اور دوسرا قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ کا۔ انہیں یہ خیال اپنی قلت تعداد و قلت سامان وغیرہ ضعف مادی کی بنا پر ہوا تھا۔ اس لئے کہ تاریخ کا بیان ہے

کہ مسلمانوں کا لشکر ایک ہزار کی تعداد میں تھا۔ اور اس میں سے منافق لیڈر عبداللہ بن ابی سلول کے عین وقت پر نکل جانے سے کل سات ہی سو رہ گیا تھا مشرکین مکہ کا لشکر ۳ ہزار تھا جس میں دو سو سوار تھے۔ غرض یہ کہ کسی ضعف ایمانی کا قدم درمیان میں نہ تھا اور پھر یہ خیال بھی وسوسہ ہی تک رہا۔ عزم کے درجہ تک نہ پہنچنے پایا جیسا کہ واللہ ولیھما کے لفظ سے ظاہر بھی ہو رہا ہے۔

اس جنگ میں بھی رسول اللہ ایک اچھے جنرل کی طرح اپنی سپاہ کی خوب ہمت افزائی کر رہے تھے اور اللہ کے سچے رسول کی طرح مومنین کو تائید غیبی اور لشکر ملائکہ کی شرکت کا یقین دلا رہے تھے۔ قرآن میں خود رسول ہی کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے:

اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثة آلاف من الملائکة منزلین بلی ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورهم هذا یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین (ایضاً)

اور وہ وقت بھی یاد کیجئے جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے؟ ہاں کیوں نہیں۔ بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ قائم رکھا۔ اور وہ لوگ تم پر فوراً ہی آپڑے۔ تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد کرے گا پانچ ہزار نشان لگے ہوئے فرشتوں سے۔

اس جنگ کے نتیجہ ناموافق کے امکان کی خبر اور پھر اس پر تسلی عالم الغیب نے اپنی کتاب مبین میں پہلے ہی سے درج کر دی تھی ملاحظہ ہو۔

ان یمسسکم قرح فقد — اگر تم لوگوں کو کوئی زخم پہنچ جائے تو ان لوگوں

مس القوم قرح مثله وتلک الایام نداولها بین الناس۔ (آل عمران ع۱۴)

یعنی (مشرکین) کو بھی تو ویسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان ایام (یعنی زمانہ) کی الٹ پھیر تو لوگوں کے درمیان کرتے ہی رہتے ہیں (تکوینی مصلحتوں سے)

چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ اس جنگ میں کچھ دیر کے لئے ہزیمت کے پورے آثار مسلمانوں پر مسلط و مرتب رہے لیکن اس عارضی ہزیمت کے باوجود جنگ کے مستقل اور آخری انجام سے متعلق کوئی تذبذب یا دغدغہ نہ تھا۔ ارشاد ہو گیا تھا کہ

ان الذین کفروا ینفقون اموالهم لیصدوا عن سبیل الله فسینفقونها ثم تکون علیهم حسرة ثم یغلبون (الانفال ع۴)

بیشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں، سو یہ لوگ مال خرچ تو کرتے ہی رہیں گے لیکن وہ ان کے حق میں باعث حسرت بن جائے گا، اور پھر وہ مغلوب ہو کر رہیں گے۔

ابن سیرۃ کا بیان اس آیت کی شرح میں ہے کہ قریش کا لیڈر ابو سفیان بن صخر بن حرب تجارت شام سے خوب مال بھر کر لوٹا تھا۔ اس سے سرداران قریش نے مطالبہ کیا تھا کہ یہ سب مسلمانوں کو شکست دینے اور ان سے انتقام لینے میں لگایا جائے۔ اور اس پر عمل ہوا تھا۔ یہ دور کی بات بھی قرآن مجید نے بتا دی تھی کہ عارضی غلبہ اور وقتی تفوق کے باوجود مشرکین اپنے اندر ہمت دبا سکیں گے۔ اور شوکت اسلام و مسلمین سے مرعوب ہی رہیں گے

سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا بالله مالم ینزل به سلطانا (آل عمران ع۱۶)

ہم ابھی کافروں کے دلوں میں ہیبت بٹھا دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھہرایا ہے جس کے لئے کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری

اس مرعوبیت کا ظہور یوں ہوا کہ حسب تصریح مورخین مشرکین اپنی عارضی فتح کے باوجود مسلمانوں کے تعاقب کی جرأت نہ لا سکے۔ اُلٹے پاؤں مکہ کو واپس ہوئے۔ اور یہ خود مسلمان ہی تھے جنھوں نے اپنے بے مثال و بے عدیل سالار لشکر کے ماتحت مدینہ سے آٹھ میل آگے بڑھ کر حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا۔ اور یہاں تین دن تک اپنا پڑاؤ پوری آن بان کے ساتھ قائم رکھا۔

معرکۂ اُحد میں شروع شروع مسلمانوں کو اپنی قلت جمعیت و قلت سامان کے باوجود برابر غلبہ رہا۔ لیکن امکانات جنگ کا بالکل صحیح اندازہ فرما کر رسول اللہ صلعم نے پچاس ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ شروع ہی میں ایک بلند ٹیکری پر ایک گھاٹی میں متعین کر دیا تھا۔ اور اس کو تاکید کر دی تھی کہ اس مورچہ سے کسی حال میں بھی نہ ہٹے لیکن جب مشرکوں کو شکست ہوئی اور ان کا سامان لٹنے لگا تو یہ دستہ اس حکم کی تعمیل پر قائم نہ رہا۔ بلکہ اس میں سے بہ تیر انداز یہ سمجھ کر کہ اب لڑائی ختم ہو چکی مال غنیمت کی لوٹ میں شریک ہو گئے۔ گھاٹی والا مورچہ خالی پا کر خالد بن ولید جو اس وقت تک مشرکوں میں شامل تھے۔ اپنے سواروں کو لے کر عقب سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور مسلمانوں کی فتح کچھ دیر کے لئے شکست میں تبدیل ہو گئی — تاریخ کی ان ساری تصریحات کو دیکھئے قرآن مجید کس ایجاز و اعجاز کے ساتھ اپنے رنگ میں بیان کرتا ہے

ولقد صدقکم اللہ وعدہٗ اور یقیناً اللہ نے اپنا وعدہ (نصرت) سچ

اذ تحسونہم باذنہٖ حتیٰ کر دکھایا جبکہ تم مشرکوں کو اس کے حکم سے قتل کر

اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر رہے تھے یہاں تک کہ تم خود ہی کمزور پڑ گئے۔ اور

وعصیتم من بعد ما اراکم حکم (رسول) کے باب میں باہم جھگڑنے لگے اور نافرمانی

بما یحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین (ایضاً)

کی۔ بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا جو کچھ تم چاہتے تھے۔ کچھ تم میں سے وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ تم میں سے وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے پھر اللہ نے تم کو ان مشرکوں سے ہٹا لیا تاکہ تمہاری پوری آزمایش کرے اور یقیناً اللہ نے تم سے درگزر کی اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا صاحب فضل ہے

فوج کے جب پیر اکھڑتے ہیں۔ اور بھگدڑ پڑجاتی ہے۔ تو افراتفری ہر قسم کی واقع ہونے لگتی ہے۔ اور اس وقت ثابت قدمی عام انسانوں کا کام نہیں۔ اس موقع پر لشکر اسلام کا سپہ سالار اعظم، جو علاوہ تدبیر جنگ کے، ذاتی شجاعت وہمت کے لحاظ سے بھی فرد فرید وبے عدیل تھا۔ باوجود زخمی ہونے کے اپنی جگہ پر ثابت وقائم رہا۔ اور دوسروں کو پکارا کیا کہ ادھر آؤ میں ادھر ہوں۔ لیکن بدحواسی میں بھاگنے والوں کے وقتے ہوش ہی کہاں تھے۔ قرآن مجید نے ایسوں کو مواخذہ آخرت سے تو بری کر دیا جیسا کہ ابھی ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین سے واضح ہو چکا ہے لیکن جنھوں نے وقتی نافرمانی کرکے رسول اللہ کو اذیت پہنچائی۔ تو لازم ہوا کہ خود انھیں بھی اذیت پہنچ لے یہ ساری سرگزشت چند لفظوں کے اندر قرآن کی زبان حقیقت ترجمان سے سنئے

اذ تصعدون ولا تلوٗن علیٰ احدٍ والرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غمّاً بغمٍّ لکیلا تحزنوا علیٰ ما فاتکم

(وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم (بھاگتے ہوئے) چڑھے چلے جا رہے تھے۔ اور مڑکر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اور رسول تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے کی جانب سے سو اللہ نے تمہیں غم دیا غم کے

ولا ما اصابکم واللہ خبیرٌ بما تعملون (ایضاً)	پاداش میں تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اس چیز پر جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے اور اللہ تم سب کاموں سے خوب خبردار ہے۔

جنگ بدر کی طرح اس جنگ میں بھی یہ ہوا کہ مسلمانوں کی خستہ فوج کو آرام کی سخت ضرورت تھی۔ اللہ نے ان پر یہ فضل کیا کہ دوپہر کے وقت ان پر نیند طاری کر دی۔ جس سے یہ تھکی ماندی فوج تازہ دم ہو گئی۔ اس حقیقت کو عکس قرآن مجید کے آئینہ میں ملاحظہ ہو:-

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاسًا یغشی طائفۃ منکم (ایضاً)	پھر اللہ نے اس غم کے بعد تم پر راحت نازل کی۔ یعنی غنودگی جس کا غلبہ تم میں سے ایک جماعت پر ہو رہا تھا۔

جنگ احد کی بعض لڑائیوں میں مومنین مخلصین کے ساتھ ساتھ منافقین مدینہ بھی تھے جو یہ ہانک لگائے ہوئے تھے کہ یہ مصیبت تو مسلمانوں کی بلائی ہوئی ہے۔ ورنہ ہم تو شروع ہی سے جنگ و مقابلہ کے مخالف تھے۔ ہماری سنتا کون ہے۔ ہماری سن لی گئی ہوتی تو یہ نوبتیں ہی کیوں آتیں۔ قرآن مجید نے ان جزئیات کو ضبط بیان میں لا کر واقعہ کے اس پہلو کو بھی حیات دوام بخش دی:-

وطائفۃ قد اہمتہم انفسہم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاہلیۃ یقولون ہل لنا من الامر من شیء ... یقولون	اور یہ گروہ وہ تھا، جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ یہ اللہ کے بارے میں خلاف حقیقت خیالات قائم کر رہے تھے جاہلیت کے خیالات وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہو...

لو كان لنا من الامر شيء ما قتلنا ههنا (ایضاً) — یہ کہتے ہیں کہ ہمارا اگر کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔

صحابہؓ مخلصین سے بھی فطری بشری کمزوریوں کی بنا پر جو لغزشیں سرزد ہو گئی تھیں ان سے انھیں گو پروانۂ عفو مل گیا تھا، پھر بھی تنبیہ خاص انھیں بھی کر دی گئی۔

ان الذين تولوا منكم يوم التقى الجمعان انما استزلهم الشيطان ببعض ما كسبوا ولقد عفا الله عنهم ان الله غفور حليم (ایضاً) — یقیناً تم میں سے جو لوگ اس دن پھر گئے تھے جس دن کہ دونوں فریق باہم مقابل ہوئے تھے، تو یہ تو بس اسی سبب ہوا کہ شیطان نے انھیں ان کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دی تھی اور بے شک اللہ انھیں معاف کر چکا ہے، یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا حلم والا ہے۔

ان نافرمان سپاہیوں کا قصور یوں بہت سخت تھا، عین معرکۂ جنگ میں ایک نازک موقع پر اپنے جنرل کی عدول حکمی کر کے اپنی اور اپنے جنرل دونوں کی تفضیح کا سبب بن رہے تھے اور اپنی خود رائی سے ساری امت کو اذیت پہنچوا دی تھی لیکن یہ جو بھی تقصیریں سرزد ہوئیں، جنرلوں کے برخلاف حضورؐ نے ان کے ساتھ معاملہ شفقت و ملاطفت ہی کا کیا۔ قرآن مجید اسی طرز ملاطفت کی گواہی ان الفاظ میں دیتا ہے

فبما رحمة من الله لنت لهم (آل عمران ع ۱۷) — پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ نرم رہے۔

اہل سیر و تاریخ کا بیان ہے کہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ اور اس سے قبل بدر میں مشرکین کی تعداد میں ستر اور اسی کی تعداد میں گرفتار ہو چکے تھے

قرآن مجید نے رمز و کنایہ میں یہ حقیقت بھی دہرا دی ہے۔

اولما اصابتكم مصيبة	اور جب تم کو ایسی ہار اٹھانا پڑی جس کی دگنی
قد اصبتم مثليها قلتم انّٰى	تم حریف پر ڈال چکے تھے، تو تم کہنے لگے کہ یہ کدھر
هٰذا قل هو من عند انفسكم	سے ہوئی۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ تمہاری ہی طرف
ان الله على كل شيء قدير (ایضاً)	سے ہوئی۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اسی میں مسلمانوں کی اس طبعی حیرت کا جواب بھی آ گیا کہ ہم اللہ کے سپاہی اور بندے، اللہ کی راہ میں لڑنے والے، پھر رسولؐ ہم میں موجود، اس پر بھی شکست ہمیں کیوں؟ انہیں بتا دیا گیا کہ بلا شبہ وعدۂ فتح و نصرت تو تمہاری اطاعت کے ساتھ مشروط تھا، جب تم نے اس کا لحاظ نہ رکھا، تو وہ وعدہ باقی کہاں رہا؟ اور ہم تو جس طرح فتح دینے پر ہیں، اسی طرح اس سے محروم کر دینے پر بھی۔ فی هٰذا قل هو من عند انفسكم ان الله على كل شيء قدير۔ جواب ابھی ختم نہیں ہوا، آگے چل رہا ہے۔

وما اصابكم يوم التقى	اور جو مصیبت تم پر اس روز پڑی جب دونوں
الجمعان فباذن الله وليعلم	گروہ باہم مقابل ہوئے سو وہ اللہ کی مشیت سے
المؤمنين وليعلم الذين نافقوا	ہوئی تاکہ وہ جان لے مومنین کو بھی اور جان لے
(ایضاً)	ان لوگوں کو بھی جنہوں نے منافقت اختیار کر لی تھی

روایات تاریخ میں آتا ہے کہ عین معرکۂ قتال سے قبل قبیلۂ خزرج کا ایک منافق سردار اپنی تین سو کی جمعیت کے ساتھ لشکر اسلام سے الگ ہو گیا تھا، اور اس طرح منافقین جو اب تک مار آستین بنے ہوئے تھے ان کا پردہ فاش ہو کر رہا۔ اس غزوہ کی تاریخ اہل سیر نے لکھا ہے کہ ۷ شوال ۳ ہجری مطابق ۲۳ مارچ ۶۲۵ء تھی۔

غزوہ بدر ثانیہ

غزوہ اُحد کے ساتھ تفصیلی تذکرہ سے متصل اور گویا اسی کی پیٹ میں ایک اور غزوہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے جس میں لشکر اسلام پوری ہمت و عزم کے ساتھ میدان جنگ میں آ جا فرما ہوا۔ لیکن فریق مخالف جو کہاں تو مسلمانوں کو ذرا دھمکا رہا تھا اور کہاں خود ہی خائف و مرعوب ہو گیا۔ ہمت چھوٹ گئی۔ آدھے راستے تک آ کر واپس چلا گیا۔ اور نوبت قتال کی نہ آئی ـــــ قرآن مجید کا بیان سنئے:-

الذین استجابوا للّٰہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم۔ الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللّٰہ وفضل لم یمسسھم سوء (آل عمران ع ۱۸)	(یہ وہ لوگ ہیں) جنھوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو مان لیا بعد اس کے کہ انھیں زخم لگ چکا تھا۔ ان میں سے جو نیک و متقی ہیں (اور وہ سب ہی ہیں) ان کے لئے اجر عظیم ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کر لیا ہے ان سے ڈرو۔ لیکن اس نے ان کا جوش و ایمان اور بڑھا دیا۔ اور یہ لوگ بولے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ یہ لوگ اللہ کے انعام و فضل کے ساتھ واپس آ گئے انھیں کوئی ناگواری (ذرا بھی) پیش نہ آئی۔

جب اصحاب یاسر و جنگ کی آوازیں آپ چند سال سے ہر طرف سے سن رہے ہیں۔ اہل عرب بھی اس سے ناواقف نہ تھے۔ بلکہ اس وقت کا ملکی لیڈر ابوسفیان

صخر بن حرب اموی۔ کہنا چاہیئے کہ اس فن کا ماہر تھا۔ ابن تاریخ کا بیان ہے کہ اس نے معرکہ احد کے بعد اپنے خاص آدمیوں کے ذریعہ یہ پروپیگنڈا مدینہ میں شروع کرا دیا تھا کہ قریش کی طاقت کے پیش نظر اب ان سے ٹکر لینا آسان نہیں۔ ایمان کے پختہ مسلمان یہ خبریں سن سن کر ذرا بھی بودے یا ہراساں نہ ہوئے اور رسول اسلام صلعم لشکر لے کر نکلے۔ مقام بدر تک پہنچے۔ آٹھ روز وہاں قیام فرمایا۔ ادھر مکی لیڈر ابوسفیان بھی فوج لے کر چلا۔ لیکن ہمت جواب دے گئی۔ کچھ دور چل کر راستہ سے واپس چلا گیا۔ اور مسلمان بلا کسی قسم کا نقصان اٹھائے خوش خوش مدینہ واپس آ گئے۔ تاریخ کی کتابوں میں اس غزوہ کا نام بدر ثانیہ آیا ہے اور اس کا زمانہ ذی قعدہ ۴ھ ہجری یا اپریل ۶۲۶ء بتایا گیا ہے اور روایتوں میں آتا ہے کہ اس وقت اسلامی لشکر میں ۱۵۰۰ پیدل اور ۱۰ سوار تھے اور اہل مکہ کے لشکر میں ۲۰۰۰ پیدل اور ۵۰ سوار۔

غزوہ بنی نضیر

اب تک جن غزوات کا ذکر آپ نے سنا یہ سب مشرکین مکہ کے مقابلہ میں تھے۔ جو مکہ سے چڑھائی کر کے اطراف مدینہ تک آتے تھے۔ لیکن مدینہ سے عین متصل آبادی یہود کی بھی تھی۔ آنحضرتؐ نے ایک اعلیٰ مدبر و حکیم السیاست کی طرح ورود مدینہ کے بعد ہی ان سے دوستانہ معاہدہ کر لیا تھا لیکن ان کے ایک بڑے گروہ نے جو بنی نضیر کہلاتے تھے۔ کچھ ہی روز بعد بدعہدی شروع کر دی اور مسلمانوں کی ایذا پر کمربستہ ہو گئے۔ بالآخر ان پر فوج کشی ہوئی۔ انھیں بڑا ناز اپنی قلعہ بندی پر تھا۔ اس کے باوجود شکست ان کے نصیب میں آئی۔ سزا ان کے لئے جلاوطنی تجویز ہوئی اور یہ لوگ مدینہ سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

قرآن مجید یہ ساری روداد اپنے معجزانہ انداز میں یوں ادا کرتا ہے۔

هو الذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتاب من دیارهم لاول الحشر ما ظننتم ان یخرجوا وظنوا انهم مانعتهم حصونهم من الله فاتاهم الله من حیث لم یحتسبوا وقذف فی قلوبهم الرعب یخربون بیوتهم بایدیهم وایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار

وہ اللہ ہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کرکے نکال دیا تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود ان کا خیال تھا کہ ان کے قلعے انھیں اللہ کی گرفت سے بچالیں گے پس اللہ کا عذاب انھیں ایسی جگہ پہنچا کہ انھیں خیال بھی نہ تھا۔ اور اللہ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی سو اے دانش والو تم عبرت حاصل کرو۔

(الحشر ۲)

مورخین نے لکھا ہے کہ وطن چھوڑتے ہوئے ایک ہتھیاروں کی اجازت تو نہ تھی باقی ہر سامان اثاث البیت ساتھ لیتے گئے، یہاں تک کہ گھروں کے دروازے اور چوکھٹیں بھی بنی نضیر حضرت ہارون کی اولاد میں تھے اس لئے علاوہ اپنی دولت و ثروت کے یہود میں دینی پیشوائی کا مرتبہ بھی رکھتے تھے لیکن یہ چیز بھی انھیں عذاب الٰہی کی گرفت سے نہ بچا سکی۔ پھر بھی چونکہ انھوں نے شروع ہی میں ہتھیار رکھ دیئے تھے سخت تر اور انتہائی سزا یعنی قتل سے بچ گئے۔ ارشاد ہوا ہے۔

ولولا ان کتب الله علیهم الجلاء لعذبهم فی الدنیا ولهم فی الاخرة عذاب النار

اور اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں انھیں عذاب دیتا (یعنی قتل عام کا) اور آخرت میں تو انھیں دوزخ کا

(ایضاً) عذاب ہونا ہی تھا ہے۔

ان لوگوں سے باقاعدہ مقابلہ کی تو نوبت آئی نہ تھی صرف محاصرہ کی شدت کو توڑنا
بھر ثر بنانے کے لئے اور تیر اندازی وغیرہ کی جنگی ضرورتوں سے لشکر اسلام کو یہ کارروائی
کرنا پڑی تھی کہ کھجوروں کے باغ جو بنی نضیر کے اردگرد لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض
کو کاٹ دیا۔ اس پر ان لوگوں نے بڑی فریاد برپا کی۔ قرآن مجید میں یہ جزئیات بھی مع جواب
موجود ہیں۔ مسلمانوں کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

ما قطعتم من لینۃ او	کھجوروں کے درخت جو تم نے کاٹے یا انہیں ان کی
ترکتموھا قائمۃ علیٰ اصولھا	جڑوں پر قائم رہنے دیا تو یہ (دونوں ہی باتیں)
فباذن اللہ و لیخزی الفاسقین	اللہ کے حکم کے موافق ہیں اور تاکہ اللہ اس
(ایضاً)	سے نافرمانوں کو رسوا کرے۔

قرآن مجید نے جو جواب دیا ہے۔ اس کی شرح و تعبیر مختلف پہلوؤں سے کی جاسکتی
ہے اور قدیم وجدید مفسروں نے مختلف و متعدد پہلو اختیار بھی کئے ہیں لیکن یہ تفسیری
بحثیں ہیں۔ سیرۃ نگار کے کام کی نہیں۔ اس کے کام کی چیز تو بس یہ ہے کہ جو بکھری فتح
مبین بغیر کسی خونریزی کے اور بغیر مسلمانوں کے کسی خفیف نقصان کے انہیں حاصل
ہوگئی تھی اس لئے قرآن مجید نے اللہ کے اس احسان کو بھی نمایاں کیا ہے۔

وما افاء اللہ علیٰ رسولہ منھم	اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوادیا
فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب	سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ
ولکن اللہ یسلط رسلہ علیٰ من یشاء	لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرما
واللہ علیٰ کل شئی قدیر (ایضاً)	دیتا ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

مدینہ کے پُر قوت ذی اثر منافقین نے بڑے بڑے وعدے امداد و رفاقت کے ان یہود سے کر رکھے تھے کہ قتال ہو یا جلا وطنی ہم تمہارا ساتھ بہر صورت دیں گے۔ قرآن مجید نے زور دار تاکید کے ساتھ پیش خبری کر دی تھی کہ ایسا نہیں ہونے کا، یہ وعدہ کرنے والے عین وقت پر دغا دے جائیں گے۔

الم تر الى الذين نافقوا يقولون لاخوانهم الذين كفروا من اهل الكتاب لئن اخرجتم لنخرجن معكم ولا نطيع فيكم احدا ابدا وان قوتلتم لننصرنكم والله يشهد انهم لكاذبون لئن اخرجوا لا يخرجون معهم ولئن قوتلوا لا ينصرونهم ولئن نصروهم ليولن الادبار ثم لا ينصرون

(الحشر ع ۲)

کیا تم نے نظر نہیں کی کہ منافقین اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے، تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہیں مانیں گے۔ اور اگر کسی کی تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ اہل کتاب اگر نکالے گئے، تو یہ لوگ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ لوگ ان کی مدد نہ کریں گے۔ اور اگر مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کو کوئی مدد نہ ہوگی۔

اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ جب بنی نضیر پر وقت پڑا اور ان کا شدید محاصرہ ہوا تو منافقین میں سے کوئی بھی مدد کو نہ پہنچا۔ قرآن مجید نے ان منافقین کی ذہنیت کی بھی تھوڑی سی تشریح و تحلیل کر دی ہے، وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔

لانتم اشد رهبة — بیشک ان لوگوں کے دلوں میں تمہارا خوف

فی صدورھم من اللہ ذالک بانھم قوم لا یفقھون لا یقاتلونکم جمیعاً الا فی قری محصنۃ او من وراء جدر باسھم بینھم شدید تحسبھم جمیعاً و قلوبھم شتی ذالک بانھم قوم لا یعقلون۔ (ایضاً)

اللہ سے بھی زیادہ ہے، اس لئے کہ یہ لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے یہ لوگ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے۔ مگر ہاں قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں، ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے (اور اے مخاطب) تو انھیں باہم متفق خیال کرتا ہو حالانکہ ان کے قلوب ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

بنی نضیر کی شکست اور جلاوطنی کا واقعہ ربیع اول ۴ھ ہجری مطابق اگست ۶۲۵ء کا ہے۔

بنی قینقاع لیکن اس سے کوئی دو سال قبل تقریباً بالکل یہی صورت یہود ہی کے ایک دوسرے قبیلہ بنی قینقاع کو پیش آ چکی تھی اور نضیر والوں نے ذرا سبق اس سے نہ لیا تھا۔ قرآن مجید نے بنی نضیر ہی کے سلسلہ میں ادھر بھی اشارہ کر دیا ہے۔ یا ایسا اشارہ جو قائم مقام صراحت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

کمثل الذین من قبلھم قریباً ذاقوا وبال امرھم ولھم عذاب الیم (ایضاً)

ان لوگوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہو چکے ہیں۔ وہ اپنی کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے

یہود کا یہ قبیلہ بھی حوالی مدینہ میں آباد تھا۔ اور یہود کے تینوں قبیلوں میں شجاع ترین تھا۔ انھیں بھی بڑا ناز اپنے قلعوں یا گڑھیوں پر تھا۔ انھوں نے علاوہ

اپنی عہد شکنیوں کے اپنی فرد جرم میں اضافہ ایک انصاری خاتون کی توہین کر کے بھی کیا تھا۔ بالآخر ان کا محاصرہ کیا گیا، اور انھیں بھی سزائے جلاوطنی ملی تھی۔ تاریخ میں اس کا زمانہ شوال سنہ ہجری یا اپریل ۶۲۴ء ثبت ہے۔

غزوۂ بنی قریظہ یہود کے تیسرے قبیلہ کا نام بنی قریظہ تھا۔ یہ بھی حوالیٔ مدینہ میں آباد تھے اور ان کے اور بنی نضیر کے درمیان حدِ فاصل کچھ باغ تھے۔ بدزبانی اور شر انگیزی میں یہ شاید اوروں سے بھی کچھ بڑھے ہوئے تھے، زبانی مسلمانوں کے حلیف بنتے تھے۔ اور پھر عہد توڑ دیتے تھے یہاں تک کہ ایک بار کھلم کھلا جنگ میں مشرکین مکہ کے شریک ہو گئے۔ آخر رسول اللہ نے ان پر بھی فوج کشی کی۔ اور دس روز کے محاصرہ میں یہ اپنی جان سے عاجز آ گئے۔ اپنی قسمت کا فیصلہ انھوں نے مدینہ کے مشہور سردار قبیلۂ اوس سعد بن معاذؓ پر چھوڑا۔ اور پھر انھیں کے فیصلہ کے مطابق ان کے مرد قتل کر دئے گئے اور ان کے بچے اور عورتیں گرفتار ہو کر آ گئے۔ قرآن مجید میں رسول کو خطاب کر کے یوں ارشاد ہوا ہے:۔

الذین عاھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرۃ وھم لا یتقون فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذکرون (الانفال ع ۷)	یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ عہد بار بار لے چکے ہیں، پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور وہ اس سے ڈرتے نہیں تو آپ انہیں اگر جنگ میں پا جائیں تو انھیں ایسی سزا دیں کہ دوسرے بھی سمجھ جائیں۔

اور دوسری جگہ یہ ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو اس موقع پر تو جنگ کرنا ہی نہ پڑی اور غزوۂ احزاب میں جن یہود یعنی انھیں بنی قریظہ نے مشرکین و معاندین اسلام

کا ساتھ دیا تھا۔ آخر مسلمانوں سے مرعوب و خائف ہو کر انہیں خود اپنے قلعے چھوڑنے پڑے اور قتل و اسیری دونوں کی سزائیں بھگتنا پڑیں ۔

وکفی اللہ المومنین القتال	اور جنگ میں اللہ خود ہی مومنین کے لئے کافی ہو گیا
وکان اللہ قویا عزیزا وانزل الذین	اور اللہ تو بھی زور قوت والا اور بڑا زبردست
ظاھروھم من اھل الکتاب من	اور جن اہل کتاب نے ان کی (یعنی اہل احزاب کی)
صیاصیھم وقذف فی قلوبھم	مدد کی تھی اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا
الرعب فریقا تقتلون وتاسرون	اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا پھر بعض
فریقا (الاحزاب ع ۳)	کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرنے ۔

اور قدرتی نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بنی قریظہ کی نقدیں اور جائداد سب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے قرآن مجید میں ارشاد ہو رہا ہے ۔

واورثکم ارضھم ودیارھم	اور اللہ نے تمہیں بنا دیا وارث ان کی زمین کا اور
واموالھم وارضا لم تطئوھا وکان	ان کے گھروں اور ان کے مال کا اور اس زمین
اللہ علی کل شئ قدیرا	کا بھی جس میں تم نے اب تک قدم نہیں رکھا ہے
(الاحزاب ع ۳)	اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے ۔

ارضا لم تطئوھا ۔ میں بڑی وسعت ہے۔ قیامت تک جتنے ملک بھی اسلام کے قبضے میں آئیں گے سب اس کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں غرض یہ کہ سزا ان بدعہدوں کو قرار واقعی ملی ۔ اور یہ واقعہ ذی قعدہ ۵ ہجری مطابق مئی ۶۲۶ عیسوی کا ہے ۔

غزوۂ احزاب

رسولِ اسلام علیہ السلام کو اپنی حربی زندگی میں جو محاربات عظیم ترین و شدید ترین پیش آئے۔ ان میں سے ایک کا نام تاریخ کی زبان میں غزوۂ خندق ہے اور قرآن مجید نے اسے الاحزاب سے موسوم کیا ہے۔ اس غزوہ میں نہ صرف مشرکین قریش ہی اپنی پوری قوت و سامان کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے۔ بلکہ ان کی کمک پر عرب کے پر قوت قبیلے بنی غطفان، بنی سعد، بنی سُلیم وغیرہ شامل تھے اور یہود کا پر قوت قبیلہ بنی قریظہ بھی ان کا شریک ہو گیا تھا مسلمانوں کی جمعیت کل ۳ ہزار کی تھی اور حملہ آوروں کی ۱۰ ہزار کی۔ اسلام کے سپہ سالارِ اعظم نے اس موقع پر ایک مخلص و جہاں دیدہ صحابی سلمانؓ فارسی کے مشورہ پر بجائے میدان میں نکل آنے کے مدینہ ہی کے گرد خندق کھود کر جنگ کی تیاری کی تھی قرآن مجید نے اس غزوہ کا ذکر اہتمام کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے نشیب و فراز پر پوری روشنی ڈالی ہے اور مسلمانوں پر اللہ کی شفقت و کرمِ خصوصی کا ذکر کیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ	اے ایمان والو۔ اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو
اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا	جب (کفار کی) لشکر تمہارے اوپر چڑھ آئے پھر
علیھم ریحا و جنودا لم تروھا	ہم نے ان پر ایک آندھی بھیج دی نیز ایسے
وکان اللہ بما تعملون بصیرا	لشکر جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور اللہ تمہارے
(الاحزاب ع ۲)	عمل کو دیکھ رہا تھا۔

یہ ہوا اور بارش کا طوفان اس طرح آیا تھا کہ اس کی پوری زد دشمن ہی کے لشکر پر پڑی روشنیاں بجھ گئیں خیمے اکھڑ گئے۔ برتن بھانڈے لڑھک گئے۔ غرض ہر طرح ابتری پھیل گئی تھی۔ اور غیر مرئی تائیدی لشکر سے مراد فرشتوں کا ہونا ظاہر ہی ہے۔

مخالف فوجیں آکر کچھ اطراف مدینہ کے نشیبی حصہ میں خیمہ زن ہو گئی تھیں اور کچھ بالائی حصہ میں مدینہ کی شرقی سمت اونچی ہے اور غربی سمت نیچی۔ قبیلۂ بنی اسد و بنی غطفان کے لشکر سمت مشرق سے آئے تھے اور قریش و بنی کنانہ کے سمت مغرب سے۔ اور یہ وقت لشکر اسلام کے لئے نازک ترین تھا۔ اتنے مضبوط جتھے سے مقابلہ کا اتفاق اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا ــــــ اس ساری صورت حال کا اور مسلمانوں کے دلوں میں شدت اضطرار و اضطراب سے جو طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ ان سب کا نقشہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:-

اذ جاؤکم من فوقکم ومن	اور جبکہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے تمہارے
اسفل منکم واذ زاغت الابصار	اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی
وبلغت القلوب الحناجر وتظنون	اور جبکہ آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ
باللہ الظنونا (ایضاً)	کو آ رہے تھے اور تم لوگ اللہ سے گمان طرح طرح کے کر رہے تھے۔

مسلمانوں کے لئے وہ دن واقعی سخت اور نازک تھا۔ گو مقصود اس سے محض امتحان ہی تھا۔ اس حقیقت کو مؤکد کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے:-

ھنالک ابتلی المؤمنون و	اس موقع پر اہل ایمان کا پورا امتحان لیا گیا
زلزلوا زلزالاً شدیداً (ایضاً)	اور وہ سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔

اور منافقوں اور ضعیف دلوں کی بدگمانیوں کا تو اس دن کچھ پوچھنا ہی نہ تھا۔

واذ یقول المنافقون والذین	اور جب کہ منافقوں اور ان لوگوں نے جن کے
فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللہ و	دلوں میں مرض ہے یہ کہنا شروع کیا تھا کہ اللہ

یریدون الا فرارا (ایضاً) اور اس کے رسول نے تو ہم سے دھوکے ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اسی غزوہ میں یہ بھی ہوا کہ منافقوں نے عین وقت پر وفاداری سے جنگ کے مورچے چھوڑ دیے اور ان کی جماعت کی سو کی تعداد وہیں واپس چلی گئی اور بعض تیج دلوں نے آکر سپہ سالار اعظم ﷺ کے پاس طرح طرح کے بہانے تراشنے شروع کر دیئے تاکہ جہاد میں شرکت سے جان بچ جائے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کے چہرے سے یوں نقاب اٹھایا ہے۔

وإذ قالت طائفة منهم یا اهل یثرب لا مقام لكم فارجعوا ويستأذن فريق منهم النبي يقولون ان بيوتنا عورة وما هي بعورة ان يريدون الا فرارا (ایضاً)

اور یہ اس وقت ہوا جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب والو۔ تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں سو اپنے گھروں کو واپس جاؤ اور ان میں سے بعض لوگ نبی سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں۔ یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں

منافقین کی بزدلی اور پست ہمتی کا پردہ اس غزوہ کے موقع پر پوری طرح فاش ہو کر رہا۔ باہر کے آئے ہوئے اور جمع شدہ لشکر واپس چلے بھی گئے۔ اور یہ منافقین اب تک دبکے چھپے پڑے رہے۔ اتنا بھی تو نہ ہوا کہ ان جگر دوز معرکوں کے نظارہ کی بھی تاب لا سکیں، بے اختیار چاہتے تھے کہ کہیں دیہات میں جا کر پناہ لیں۔ اور وہیں سے بس خبریں ہی سن لیں۔ صحیفہ ربانی کا بیان ملاحظہ ہو۔

یحسبون الاحزاب لم یذهبوا یہ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آوروں کے لشکر ابھی

وان یات الاحزاب یودوا لو انهم بادون فی الاعراب یسئلون عن انبائکم ولو کانوا فیکم ما قاتلوا الا قلیلا ۔ (الاحزاب ۔ ع ۲)	تک بھی نہیں ہٹے اور اگر یہ لشکر آ پڑیں تو یہ لوگ تو یہ چاہیں گے کہ کاش ہم باہر دیہاتوں میں جا رہتے کہ وہیں سے خبریں پوچھتے رہتے اور یہ لوگ اگر تمہیں میں رہیں جب بھی کچھ یوں ہی سا لڑیں ۔

مومنین صادقین اس کے برخلاف ان شاندار حملہ آور لشکروں سے ذرا بھی بزدلی و پست حوصلہ نہ ہوئے ۔ ان کی ہمت و ثبات کا نقشہ ان زوردار و موثر لفظوں میں ملاحظہ ہو ۔

ولما راء المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا (الاحزاب ع ۳)	اور جب اہل ایمان نے ان لشکروں کو دیکھا تو بولے یہی وہ موقع ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کے ایمان و طاعت میں ترقی ہی ہوئی اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ ان میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں اور انھوں نے اپنے میں ذرا فرق نہیں آنے دیا ۔

دشمنوں کو باوجود کثرت تعداد اور باوجود اپنی ساری خوش تدبیروں اور افراط ساز و سامان کے جس طرح ناکام و نامراد واپس جانا پڑا ، اس کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے :-

وردّ اللّٰہ الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیراً (ایضاً) اور اللہ نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا بنادیا کہ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا۔

یعنی معاندین اسلام آئے تو اس کروفر سے تھے لیکن کس حسرت کے ساتھ انہیں منہ کی کھانی پڑی اور تمام تر بے نیل مرام واپس جانا پڑا ــــ مورخین کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ذی قعدہ ۵ھ ہجری مطابق اپریل ۶۲۷ء کا ہے۔

غزوۂ حدیبیہ یہ درحقیقت کوئی غزوہ نہیں۔ اس لئے کہ نہ یہاں کوئی جنگ پیش آئی اور نہ حضور صلعم کوئی ارادۂ جنگ لے کر اس میں روانہ ہوئے تھے لیکن اہل سیر و تاریخ نے اس کا ذکر غزوات ہی کے ذیل میں کیا ہے اس لئے یہ عنوان بڑھانا پڑا۔

ایک خواب کی بنا پر حضور ذی قعدہ ۶ھ ہجری میں عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ ۱۴۰۰ صحابیؓ ساتھ تھے، مکہ پر قبضہ ابھی تک مشرکوں کا تھا اس لئے آپؐ نے اپنے رفیقوں کو حکم دیا تھا کہ کوئی شخص بجز ایک تلوار کے (جو عرب میں لازمۂ سفر تھا) اور کوئی ہتھیار کوئی اپنے پاس نہ رکھے۔ اتنی احتیاطوں کے باوجود بھی اہل مکہ بدگمان ہی رہے۔ اور مقابلہ و مزاحمت کی تیاری اپنے ہاں شروع کر دی ابھی آپؐ مقام حدیبیہ میں تھے اور شہر مکہ سے ایک منزل اُدھر کہ یہ خبر آپ کو مل گئی۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کی سیادت میں ایک وفد سرداران قریش کے پاس بھیجا کہ ہم لڑنے کی نیت سے نہیں صرف عمرہ ادا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو واپسی میں دیر ہوئی اور خبر یہ اُڑ گئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔ اس پر قدرۃً رسول اللہؐ کو غیرت آئی اور سخت ناگواری پیدا ہوئی اور اب آپؐ نے ایک درخت کے نیچے تشریف رکھ کر سب

بیعت لی کہ خون عثمانؓ کا قصاص اپنی جانیں دے کر لیا جائے گا۔ پھر جب وہ خبر اُن بے بنیاد ثابت ہوئی تو نوبت کسی جدال و قتال کی نہ آئی اور ایک معاہدۂ صلح مرتب ہو گیا۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کی ہمت و ثبات کی اس مثال کو بطور یادگار محفوظ رکھا اور خوشنودی کا پروانہ عطا کر دیا ہے۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا (الفتح ع ۳)	اللہ راضی ہو گیا مومنوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے، جو کچھ ان کے دلوں میں تھا، اللہ کو اس کا علم ہو گیا سو اس نے ان پر تسکین نازل کی اور انھیں قریب ہی زمانہ میں فتح عنایت کی۔

قرآن مجید نے مومنین کو یہ تسکین بھی دی کہ وہ اس حالت کی طرف سے بے دل نہ ہوں، نبی کا خواب پوری طرح سچا ہو کر رہے گا۔ اور مسلمان سب طواف کر کے ارکان متعلقہ انجام دے کر رہیں گے۔ ارشاد ہوا ہے۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون (الفتح ع ۴)	بیشک اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچ کر دکھایا یعنی واقعہ کہ تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے ان شاء اللہ امن کے ساتھ اپنے سر منڈاتے ہوئے اور بال کترتے ہوئے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔

اسی حدیبیہ کی منزل میں قبل اس کے کہ معاہدۂ صلح مکمل ہو، یہ واقعہ بھی پیش آ گیا کہ قریش نے اپنا ایک دستہ بھیج دیا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ لیکن یہ لوگ خود

گرفتار ہو گئے۔ مسلمان چاہتے تو ان قیدیوں کو قتل کر ڈالتے لیکن اس طرح جنگ و خونریزی کا سلسلہ فوراً شروع ہو جاتا اس لئے رحمت عالم نے انھیں سرے سے معاف کر کے رہا کر دیا۔ قرآن مجید میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف بھی موجود ہے۔

وھو الذی کف ایدیھم عنکم	اور اللہ ہی تو ہے جس نے ان لوگوں کے ہاتھ
وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد	تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے بطن مکہ میں رکے
ان اظفرکم علیھم (الفتح ۔ ع ۳)	رہے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا

اسی معاہدۂ حدیبیہ میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ جب صلح نامہ مرتب ہو رہا تھا تو قریش کے سفیر نے اعتراض کیا کہ ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کے روادار نہیں۔ عنوان پر قدیم فقرہ صرف باسمک اللھم رہے۔ اور دوسری بات یہ کہ بجائے محمد رسول اللہ کے معاہدہ پر صرف محمد بن عبداللہ تحریر ہو۔ مسلمانوں کو یہ جاہلی تعصب قدرۃً سخت ناگوار گزرا اور قریب تھا کہ صلح کی گفتگو ہی بات پر ٹوٹ جائے۔ رحمت عالم نے اپنے جاں نثاروں کے اس جوش کو ٹھنڈا کیا۔ قرآن مجید کے حقیقت افروز بیان سے یہ جزئیہ بھی نظر انداز نہیں ہونے پایا ہے۔

اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم	اور جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب اور
الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ فانزل	تعصب جاہلی کو جگہ دی تو اللہ نے اپنی طرف
اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین	سے تحمل اپنے رسول اور مومنین کو عطا کیا

(ایضاً)

اور جن مومنین نے درخت کے نیچے حضورؐ کے ہاتھ پر سرفروشی کی بیعت کی تھی، ان کی منزلت قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کی ہے :۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (الفتح ع ۱)	بیشک جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی ہے انھوں نے اللہ سے بیعت کی ہے اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

اور انھیں پروانہ خوشنودی جو عطا ہوا وہ ابھی چند سطر قبل لقد رضی اللہ عن المومنین کے ذیل میں تو آپ سن ہی چکے ہیں۔ حدیبیہ کے اس واقعہ کا زمانہ ذی قعدہ ۶ھ ہجری ہے مطابق مارچ ۶۲۸ء۔

غزوۂ خیبر یہود کی ایک بستی مدینہ منورہ کے شمال میں شام کی جانب ۸ منزل یا بہ قول بعض سیاحوں کے ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر تھی۔ یہاں ان کے قلعے مستحکم اور کئی کئی موجود تھے ان کے مسلسل جرائم کے پاداش میں ان کی تادیب پر جو مہم روانہ ہوئی۔ اس کی قیادت خود آنحضرت نے کی کچھ دن کے محاصرہ کے بعد سارے قلعے فتح ہوگئے اور مال غنیمت کثرت سے حاصل ہوا۔

قرآن مجید میں اس غزوہ کا ذکر تو ہے مگر مستقلاً اور بہ تصریح نام نہیں بلکہ اشارۃً اور دوسرے واقعات کے ضمن میں۔ صلح حدیبیہ کے سلسلہ بیان میں منافقین کی فطرت کے اظہار کے لئے بہ طور پیش خبری کے ہے۔

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم (الفتح ع ۲)	(یہ پیچھے رہ جانے والے) منافقین عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلوگے تو کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو ہم تمھارے ساتھ ہو لیں۔

یہ اشارہ خیبر کی غنیمتوں کی جانب ہے۔ جو عنقریب ہاتھ لگنے والی تھیں بعض نے مزید اہل مدینہ اہل حدیبیہ کی مدح کے سلسلہ میں ہے۔

فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریبًا ومغانم کثیرۃ یاخذونھا وکان اللہ عزیزاً حکیماً (الفتح ع ۳)	اللہ نے ان لوگوں میں اطمینان پیدا کر دیا اور انہیں قریب ہی کی ایک فتح دیدی اور بہت سی غنیمتیں بھی جنہیں یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تو زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

فتح قریب اور غنیمت کثیر کی بشارتوں کا تعلق اسی مستقبل قریب کی فتح خیبر سے ہے اور صاف اشارہ ہوتا ہے۔

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھذہٖ (ایضاً)	اللہ نے تم سے بہتیری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ تم انہیں لوگے، سو سردست تمہیں یہ فتح دیدی۔

اس غنیمت کثیر کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں درج ہے۔ اور مسر ولیم میور نے لائف آف محمدؐ میں لکھا ہے کہ اس مقدار کثیر میں مال غنیمت اس سے قبل مسلمانوں کو کبھی نہیں ملا تھا۔ واقعہ کا زمانہ محرم و صفر ۷ھ ہجری مطابق مئی و جون ۶۲۸ء عیسوی ہے۔

غزوۂ الفتح غزوات نبوی کے سلسلہ میں فتح مکہ کا زمانہ اگر صحیح معنی میں غزوہ نہیں کہنا چاہیئے کہ سب سے بڑا کارنامہ ہے اور لڑائیاں چھوٹی بڑی جتنی بھی ہوئیں سب کا مرکزی نقطہ یہی تھا۔

صلح حدیبیہ کا زمانہ فتح مکہ سے کوئی دو سال قبل کا ہے۔ قرآن مجید نے پیش خبری اسی وقت تیقن کے ساتھ کر دی تھی۔

انا فتحنا لک فتحاً مبیناً (الفتح ع ۱)	ہم نے آپ کو (اے پیغمبر) ایک صریح فتح دے دی کھلی ہوئی فتح۔

آیت میں گو اشارہ قریب صلح حدیبیہ کی جانب ہے۔ لیکن سب مانتے ہیں کہ اشارۂ بعید فتح مکہ ہی کے جانب ہے۔

عرب اب جوق جوق ایمان لا رہے تھے اور قبیلے پر قبیلے اسلام میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ فتح مکہ چیز ہی ایسی تھی۔ قرآن مجید نے اس کی اپنی بلیغ زبان میں یوں نقشہ کشی کی ہے۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح ۔ ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً (النصر) — جب آگئی اللہ کی مدد اور فتح اور آپ نے لوگوں کو دیکھ لیا کہ فوج کے فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

اور خیر یہ صورت تو فتح مکہ کے بعد واقع ہوئی۔ خود فتح اس طرح حاصل ہوئی کہ گو رسول اللہؐ کے ہمراہ ۱۰ ہزار جان نثار صحابیوں کا لشکر تھا۔ اور عرب کے بڑے بڑے پر قوت قبیلے اپنے الگ جیش بناتے ہوئے۔ اور اپنے اپنے پرچم اڑاتے ہوئے جلو میں تھے۔ لیکن خونریزی دشمن کے اس شہر بلکہ دار الحکومت میں بہلکے نام بھی ہونے پائی اور شہر پر قبضہ بغیر خون کی ندیاں بہے۔ گویا چپ چاپ ہو گیا۔

ھو الذی کف ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم (الفتح ع ۳) — وہ اللہ ہی ہے جس نے روک دیئے اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے شہر مکہ میں بعد اس کے کہ تم کو اس نے اُن پر فتحمند کر دیا تھا۔

اس آیت میں اشارہ جہاں بہ قول بعض شارحین کے حدیبیہ کی طرف ہے۔ وہیں بہ قول بعض دوسرے شارحین کے غیر خونریز فتح مکہ کی جانب ہے۔

فتح مکہ کا یہ عظیم الشان اور دنیا کی تاریخ کے لئے نادر اور یادگار واقعہ رمضان

ھ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ عیسوی میں پیش آیا۔

غزوۂ حنین

غزوۂ بدر کے علاوہ دوسرا غزوہ جس کا تذکرہ اشارۃً نہیں بلکہ نام کی صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔ وہ غزوۂ حنین ہے۔ حنین ایک وادی کا نام ہے۔ جو شہر طائف سے ۱۰، ۱۲ میل شمال و مشرق میں جبل اوطاس میں واقع ہے۔ یہ عرب کے مشہور جنگجو و جنگبا قبیلہ ہوازن کا مسکن تھا۔ اور اس قبیلہ کے ملکۂ تیر اندازی کی شہرت دور دور تھی۔ انھوں نے فتح مکہ کی خبر پا کر دل میں کہا کہ جب قریش مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے۔ تو اب ہماری بھی خیر نہیں۔ اور خود ہی جنگ و تشان کا سامان شروع کر دیا۔ اور چاہا کہ مسلمانوں پہ جو ابھی مکہ ہی میں بیٹھے تھے۔ یک بیک آ پڑیں۔ اور اس منصوبہ میں ایک دوسرا پُر قوت و جنگجو قبیلہ بنی ثقیف بھی ان کا شریک ہو گیا اور ہوازن و ثقیف کے اتحاد نے دشمن کی جنگی قوت کو بہت ہی بڑھا دیا۔

حضورؐ کو جب اس کی معتبر خبر مل گئی۔ تو ایک اچھے جنرل کی طرح آپ خود ہی پیش قدمی کر کے باہر نکل آئے اور مقام حنین پہ غنیم کے سامنے صف آرائی کر لی۔ آپ کے لشکر کی تعداد ۱۲ ہزار تھی ان میں ۱۰ ہزار تو وہی فدائی تھے جو مدینہ سے ہمرکاب آئے تھے۔ دو ہزار آدمی مکہ کے بھی شامل ہو گئے تھے مگر ان میں سب مسلمان نہ تھے۔ کچھ تو ابھی بدستور مشرک ہی تھے، اور کچھ نو مسلم کے بجائے صرف نیم مسلم تھے۔ بہرحال بارہ ہزار کی اس جمعیت کثیر پر مسلمانوں کو ناز ہو چلا، کہ جب ہم تعداد قلیل میں رہ کر برابر فتح پاتے رہے۔ تو اب کہ ہماری تعداد اتنی بڑی ہے۔ اب فتح میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ لیکن جب جنگ شروع ہوئی۔ تو اس کے بعد کے دو دو اسلامی لشکر

بد بہت ہی سخت گزرے ۔ اور مسلمانوں کا اپنی کثرت تعداد پر فخر کرنا ذرہ بھی ان کے کام نہ آیا۔ ایک موقع ایسا بھی پیش آیا کہ اسلامی فوج کو ایک تنگ نشیبی وادی میں اترنا پڑا اور دشمن نے کمین گاہ سے یک بیک ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ خیر، پھر غیبی امداد کا نزول ہوا۔ اور آخری فتح مسلمانوں ہی کے حصہ میں رہی۔

قرآن مجید نے اس سارے آثار چڑھاؤ کی نقشہ کشی اپنے الفاظ میں کردی ہے

ولقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنودا لم تروھا وعذب الذین کفروا وذالک جزاء الکافرین۔ (التوبہ ع ۴)	اور اللہ نے یقیناً بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی ہے۔ اور حنین کے دن بھی، جبکہ تم کو اپنی کثرت تعداد پر غرہ ہوگیا تھا۔ تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور مومنین پر تسلی نازل فرمائی، اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نہ دیکھ سکے، اللہ نے کافروں کو عذاب میں پکڑا اور یہی بدلہ ہے کافروں کے لئے

غزوہ حنین کا زمانہ شوال شہ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ء کا ہے۔

غزوہ تبوک آپ نے اب تک جتنے محاربات کا ذکر سنا، یہ سب قبائل عرب یا یہود کے مقابلہ میں تھے۔ مگر اب سامنا ایسے لشکر کا ہونے

والا تھا۔ جو وقت کے معیار کے مطابق ہر طرح کے جدید و متمدن ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ عرب کے شمال میں حکومت آل غسان کی تھی۔ اور یہ ایک باجگزار عیسائی ریاست روم کی عظیم شہنشاہی کی تھی۔ اور روم و ایران ہی دو اس وقت کی تہذیب و تمدن کی ترقیوں کے نمائندے تھے۔ مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ رومی شہنشاہ کے حکم سے ۴۰ ہزار فوج کا اجتماع سرحد پر ہو رہا ہے۔ آنحضرت صلعم یہ اطلاع پا کر حسب معمول پیش قدمی کر کے روانہ ہو گئے۔

لشکر اسلام بھی اب تعداد میں ۳۰ ہزار تھا۔ اور تبوک پر اس نے کیمپ قائم کر دیا۔ تبوک مدینہ سے ۱۴ منزل کے فاصلہ پر شام کی راہ پر تھا۔ اتنی دور دراز مسافت یوں ہی لوگوں کو کھل رہی تھی۔ پھر گرمیوں کا موسم اور اتفاق سے اس سال گرمی اس زمانہ میں بہت سخت تھی۔ اور باغات مدینہ کی فصل کا زمانہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقابلہ ایک متمدن و قواعد دان فوج سے اور اپنی طرف بے سروسامانی کا یہ عالم کہ ایک اونٹ میں کئی کئی سوار شریک اور رسد کی اس درجہ قلت کہ سالم ایک ایک خرما بھی ہر سپاہی کو نصیب نہیں، ان حالات نے مل ملا کر قدرۃً اچھے اچھوں کی ہمت پست کر دی اور لوگ جانے سے جی چرانے لگے۔

اور منافقوں کی تو بن آئی تھی۔ انھوں نے صاف صاف کہنا اور دوسروں کو ورغلانا شروع کر دیا تھا کہ ایسی گرمی میں بھلا کوئی سفر کیسے اختیار کر سکتا ہے؟

قرآن مجید نے ان کا قول مع اس کے رد کے نقل کیا ہے۔

وقالوا لا تنفروا فی الحر قل نار جھنم اشد حرا لو کانوا یفقھون۔ (التوبہ ع ۱۱)

یہ بولے کہ گرمی کے موسم میں نہ نکلو۔ آپ کہہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔ کیا خوب ہوتا اگر یہ لوگ سمجھ سے کام لیتے۔

اور بعض نے تو یہاں تک اونچی کردی تھی کہ فرمانے لگے کہ رومیوں کی سرزمین پر قدم رکھ کر ہم تو رومیوں کے فتنوں کے شکار ہو جائیں گے۔ اس لئے ہمارا نہ جانا ہی بھلا۔ قرآن مجید نے اس عذر کو بھی نقل کرکے اس پر شدید نکیر کی ہے:۔

ومنھم من یقول ائذن لی ولا تفتنی الا فی الفتنۃ سقطوا وان جھنم لمحیطۃ بالکافرین (التوبہ ع ۷)

اور ان میں بعضا شخص وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (رہ جانے کی) اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے سارے فتنہ میں تو یہ خود ہی پڑ چکے ہیں۔ اور یقیناً دوزخ ان کافروں کو گھیرے گی۔

اس سب کے باوجود جب آپؐ روانہ ہوگئے ہیں۔ تو ۳۰ ہزار کا لشکر ہمراہ تھا۔ تبوک میں قیام دو مہینہ رہا۔ لیکن غنیم سامنے نہ آیا۔ اور اسلامی لشکر مع الخیر واپس آگیا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے۔ گو ضمناً۔ امیر لشکر اور جانباز رفیقوں کی مدح ۔۔۔ وقت و موسم کی سختی کا پورا لحاظ رکھا ہے چنانچہ اس غزوہ کا نام ہی جیش العسرۃ پڑ گیا اور کمزور ارادہ والوں کو معافی کا پروانہ عنایت کیا ہے۔

لقد تاب الله على النبي والمهاجرين والانصار الذين اتبعوه في ساعة العسرة من بعد ما كاد يزيغ قلوب فريق منهم ثم تاب عليهم انه بهم رءوف رحيم (التوبہ ع ۱۴)

اللہ نے حضرت پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی۔ بلاشبہ وہ ان سب پر بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے۔

اس غزوہ کا زمانہ رجب تا رمضان سنہ ۹ ہجری مطابق اکتوبر تا دسمبر سنہ ۶۳۰ عیسوی تھا۔

خطبہ (۷)

معاصرین

رسول اللہ کے سیرۃ نگار کے لئے بعض اہم سوالات یہ ہیں کہ آپ کو پیام کیا ملا تھا اور آپ پیامبر بنا کر کس کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اور وہ پیام ان لوگوں نے کس رنگ میں سنا؟

تبلیغ کا حکم اجمالی طور پر تو ایک معنی میں آپ کو بعثت و نبوت کے ساتھ ہی مل گیا تھا۔ چنانچہ ایک ابتدائی سورۃ میں ہے۔

قم فانذر (المدثر ع ۱) آپ کھڑے ہو جیے اور ڈرائیے۔

لیکن یہاں یہ کچھ تصریح نہیں کہ کس کو ڈرائیے (انذار کا عمل کس پر کیجئے اسی طرح یہ آیت بھی رقبۂ تبلیغ کے باب میں مجمل ہی ہے۔

وقل انی انا النذیر المبین آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ایک کھلم ڈرانے والا ہوں۔ (الحجر ع ۶)

اور کچھ ایسا ہی حال اس آیت کا بھی ہے۔

ان انا الا نذیر و بشیر میں اور کچھ نہیں بجز اس کے کہ نذیر و بشیر

(الاعراف ع ۲۳) ہوں۔

پھر یہ آیت بھی اسی طرح مطلق ہے اور تصریح سے خاموش

فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین — غرض آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف سنا دیجئے اور مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے۔

(الحجر ع ۶)

اور بالکل اسی قسم کا حکم گو زیادہ موکد اس آیت سے بھی نکلتا ہے۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ — اے پیغمبر آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل ہوا ہے۔ آپ سب پہنچا دیجئے۔ اور اگر آپ نے یہ نہ کیا۔ تو آپ نے اللہ کا ایک پیغام بھی نہ پہنچایا۔

(المائدہ ع ۱۰)

اور اسی قبیل کی یہ آیت بھی ہے۔

انا ارسلنٰک بالحق بشیرًا ونذیرًا — بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو دین حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر۔

(البقرہ ع ۱۴)

اور یہی آیت سورۃ الفاطر کو ع ۳ میں آئی ہے۔

اور وہیں یہ آیت بھی آئی ہے۔

ان انت الا نذیر (الفاطر ع ۳) — آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہی ہیں۔

اور اسی مضمون کی اور لفظاً بھی اسی سے ملتی جلتی آیتیں اور بھی ہیں۔

مثلاً

انا ارسلنٰک بالحق بشیرًا — بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو دین حق کے ساتھ

ونذیرا (الفاطر ع ۳) بشیر و نذیر بنا کر۔

اور

وما ارسلناک الا مبشرا و — اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر بشیر و نذیر

نذیرا (بنی اسرائیل ع ۱۲) بنا کر۔

اور ایسی ہی آیتیں سورۂ الفتح و سورۂ الاحزاب و سورۂ الفرقان میں بھی ہیں
ان ساری آیتوں سے یہ تو واضح بلکہ بدیہی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کے
ذمہ فریضۂ تبلیغ و دعوت تھا اور آپ صرف کی حیثیت بشیر، نذیر، مبشر اور
شاہد کے تھے اور یہ سب تصریحات جگہ جگہ ہیں۔ جب بھی خود لفظ رسول کے اندر بڑا
یہ فریضہ آ گئے تھے۔ رسالت کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی کا پیام کسی کو پہنچانا۔ تو آپ کا
پیام ہی اور پیام رسانی میں تو کوئی اشتباہ اور ابہام نہ تھا۔ گفتگو صرف
اس میں ہے کہ آپ کا مخاطب کون سا گروہ کون سا طبقہ، کون سی قوم قرار دی گئی؟
قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے سپرد تبلیغ و ہدایت
سب سے پہلے آپ کے کنبہ اور برادری والوں کی ہوئی۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

وانذر عشیرتک الاقربین — اور اپنے قریب کے خاندان والوں کو ڈرائیے

(الشعراء ع ۱۱)

اور قدرۃً آغاز یہیں سے ہونا بھی تھا۔ اس کے بعد پھر اس تدریجی ترتیب سے
دائرہ دعوت وسیع ہو کر قوم عرب یعنی نسل اسمٰعیل تک پہنچا۔ اس کی شہادت متعدد
آیات سے ہوتی ہے۔

مثلاً

لتنذر قوما ما انذر آباؤهم	تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جس کے آباؤ اجداد
فهم غافلون (یٰسین ع ۱)	ڈرائے نہیں گئے ہیں وہ اس سے بے خبری
	میں ہیں۔

اس قوم سے کھلی ہوئی مراد قوم عرب یا بنی اسمٰعیل سے ہے۔

دوسری آیت اسی تائید معنی میں ہے۔

لتنذر قوما ما اتاهم من	تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس
نذیر من قبلك (السجدہ ع ۱)	آپ سے قبل کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ہے

اور یہی مفاد اس قسم کی آیتوں کا بھی ہے۔ جن میں یہ آیا ہے کہ آپ اُمیوں کے درمیان مبعوث کئے گئے ہیں۔ ان کی اصلاح و ہدایت کے لئے۔ مثلاً

هو الذی بعث فی الامیین	اور اللہ وہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان ایک
رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاته و	انہیں میں سے رسول مبعوث کیا، جو انھیں اس
یزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة	کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور انھیں پاک صاف
وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین	بناتے ہیں اور انہیں کتاب و دانائی کی تعلیم دیتے
(الجمعہ ع ۱)	ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ قبل اس کے کھلی ہوئی گمراہی
	میں پڑے ہوئے تھے۔

اُمیوں سے کھلی ہوئی مراد ام القریٰ یعنی مکہ معظمہ کے باشندے ہیں اور جب اس کے ساتھ وہ آیت ملائی جائے۔ جس میں تقریباً یہی دعا حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنی ذریت کے حق میں کی ہے، یعنی:۔

ربنا وابعث فیهم رسولاً منهم	اے ہمارے رب ہماری ذریت کے درمیان ایک

يتلوا عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم انك انت العزيز الحكيم (البقرة ع ۱۵)

رسول انہیں میں سے اٹھا۔ جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک صاف بنائے بیشک تو ہی زبردست بھی ہو اور حکمت والا بھی

تو بات اور بھی صاف ہو جاتی ہے کہ اُمت دعوت ساری نسل آدم سے ہے اب اس کے بعد دائرہ دعوت میں اور وسعت ہوتی ہے اور خود رسول پاک کی زبان سے یہ کہلایا جاتا ہے۔

واُوحی الیّ ھٰذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ (الانعام ع ۲)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہو تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمہیں بھی خبردار کر دوں اور جس کسی کو یہ پہنچے اس کو بھی۔

اس ایک ومن بلغ کے اضافے نے یہ صاف کر دیا کہ دعوت محمدی اب انہیں کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں جو آپ کے مخاطبین اول تھے۔ بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہو کر اس ساری آبادی کو بھی محیط ہو گیا ہے۔ جہاں تک قرآن پہنچ جائے۔ اور چونکہ قرآن کے پہنچ جانے کا امکان روئے زمین کے ہر گوشہ تک ہے اس واسطے دائرہ دعوت بھی گویا اب سارے عالم تک وسیع ہو رہا ہے۔

یہ استنباط پھر بھی بالواسطہ تھا۔ اور کچھ اس قسم کا نتیجہ تکمیل دین والی آیت سے بھی نکالا جا سکتا تھا۔ یعنی

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ (المائدہ ع ۱)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر پوری کر دی اپنی نعمت۔

اور کہا جا سکتا تھا کہ جب دین کی تکمیل ہر پہلو سے ہو گئی اور اللہ کا انعام ہر طرح پورا ہو گیا۔ تو اب بنی آدم کا کوئی طبقہ اس کے فیض سے باہر کیوں رہے۔ لیکن اس میں بالواسطہ رہنمائی اور استنباط کی بھی ضرورت نہ رہی بلکہ صاف اور کھلے لفظوں میں ارشاد ہوا کہ پیغام محمدی ملک گیر نہیں بلکہ عالم گیر ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا (الفرقان ع ۱)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے فیصلہ والی کتاب اپنے بندہ (خاص) پر اتاری تاکہ وہ سارے عالم کو خبردار کرنے والا ہو۔

اور دوسری جگہ ہے۔

ان ھو الا ذکری للعالمین (انعام ع ۱۰)

یہ قرآن نہیں ہے مگر نصیحت سارے عالم کے لئے۔

اور تیسری جگہ براہ راست رسول اللہ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا الذی لہ ملک السماوات والارض۔ (الاعراف ع ۲۰)

آپ کہہ دیجئے کہ اے انسانو میں تم سب کی طرف رسول ہوں اللہ کا جس کی سلطنت آسمانوں اور زمین کی ہے۔

چوتھی آیت بھی ایسی ہی واضح و صریح ہے۔

وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرًا ونذیرًا (السبا ع ۳)

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو اسے پیغمبر مگر سارے ہی انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔

غرض یہ کہ آپ کی بعثت و دعوت کا ساری نسل آدم کی طرف ہونا تو ہر طرح ثابت اور یقینی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کا سابقہ بیک وقت ساری دنیا سے اور دور دراز بسنے والی قوموں سے کیونکر پڑ سکتا تھا۔ قدرۃً براہ راست سابقہ آپ کو انہیں لوگوں سے پیش آیا۔ جو جغرافی اعتبار سے آپ سے متصل تھے۔ یعنی عرب اور خصوصاً ان کے شہروں مکہ و مدینہ یا ان کے حدود میں آباد تھے۔ تو اب تاریخی سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ان اہل ملک نے حضورؐ کے پیام کی پذیرائی کس حد تک اور کیونکر کی؟ —— اور یہیں سے ایک بڑا طویل باب آپ کے معاصرین سے متعلق شروع ہوتا ہے۔

(الف)

مشرکین

ان میں سب سے پہلا نمبر مشرکین کا آتا ہے۔ ان کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ مشرکین اور الذین اشرکوا کا ذکر اور شرک کے بابت احکام قرآن مجید میں سیکڑوں آیتوں میں وارد ہوئے ہیں۔ اور ان صریح الفاظ کے علاوہ بالواسطہ بھی جو آیات عبادت غیر اللہ کی ممانعت اور اس پر زجر و ملامت میں وارد ہوئی ہیں ان کی تعداد تو اور بھی زائد ہے۔

محمد صلعم جو پیام لے کر آئے تھے۔ اس کا اہم ترین اور مقدم ترین جزو توحید ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا اثبات ذات، صفات، افعال ہر پہلو اور ہر اعتبار سے۔ قرآن نے اسی پیام کو صدہا بار دہرایا ہے۔ مختلف پیرایوں میں۔ اور تاکید سب سے زیادہ اسی کی رکھی ہے۔ کہیں یوں۔

وقال اللہ لا تتخذوا الٰھین اثنین انما ھو الٰہ واحد (النحل ع ۱۴)
اور اللہ نے کہا کہ دو خدا نہ بناؤ وہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔

اور کہیں یوں۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد (الکہف ع ۱۲)
آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس بشر ہی ہوں تمہیں جیسا۔ اور مجھ پر وحی یہ آئی ہے کہ تمہارا ایک ہی خدا ہے۔

(حم السجدہ ع ۱)

کہیں مطلق صورت میں ارشاد ہوا ہے کہ

والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو (البقرہ ع ۱۹)
اور تمہارا خدا بس اکیلا ہی خدا ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

کہیں یوں

ھو اللہ الواحد القھار
وہی اللہ ایک اور زبردست ہے۔

(زمر ع ۱)

اور کہیں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ جیسے یہی مسئلہ اسلام یا انقیاد کا ہے۔

قل انما یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد فھل انتم مسلمون (الانبیاء ع ۷)
آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر وحی یہ آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدائے واحد ہے۔ تو اب تم اسلام لاتے ہو؟

اور اس مضمون کی آیتیں ایک دو نہیں، بیسیوں ہیں ——— ایک جگہ ایک مختصر جامع سورۃ میں ہر قسم کی توحید کا اثبات اور ہر قسم کے شرک کی نفی کر کے لفظ بھی بجائے "واحد"

کے احد لایا گیا ہے۔

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد — آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے اللہ صمد ہے (بے نیاز ہے۔ نہ اس کے کوئی اولاد، نہ وہ کسی

لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا — کی اولاد اور نہ کوئی اس کے جوڑ کا ہے۔

احد (الاخلاص)

اہل لغت اور علماء ادب نے لکھا ہے کہ احد، واحد کی ترقی یافتہ شکل ہے واحد جمع و تعدد کو قبول کر لیتا ہے۔ لیکن 'احد' تفرید میں کامل اور تجرید میں یکتا ہے۔ اور اگر یہ ال کے اضافہ کے ساتھ اثبات کر کے لایا جائے، تو یہ اسم ذات کی طرح مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اور ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ اور اللہ لا الہ الا ھو، کی قسم کی تو بکثرت آیتیں قرآن میں ہیں۔ جن سے خداؤں کے تعدد یا غیر معبود کے وجود ہی کی سرے سے نفی کی گئی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں اس قسم کے شرک جلی کی بڑی گرم بازاری تھی۔ اور سب سے زیادہ یہی لوگ آپ کے پیام سن کر سنی ان سنی کرتے تھے۔ اور چونکہ آپ مامور تھے تبلیغ پر جیسا کہ آیات کریمہ

قم فانذر (المدثر ع ۱) — آپ کھڑے ہوجئے اور خبردار کیجئے۔

اور

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک (المائدہ ع ۱۰) — اے رسول آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ پر اتار گیا ہے۔

اور

فانما علیک البلاغ (آل عمران ع ۲) — آپ کے ذمہ تو بس پہنچا دینا ہے۔

اور

فانما علیک البلاغ المبین — آپ کے ذمہ تو بس کھلم کھلا تبلیغ ہی ہے۔ (النحل ع ۱)

اور بہت سی دوسری آیتوں سے ظاہر و ثابت ہے۔ اس لئے یہ بات ایک حد تک بالکل قدرتی تھی کہ جو لوگ اپنی وہم پرستیوں میں زیادہ راسخ اور جامد تھے انھوں نے نئی دعوت کو سن کر اس کی مخالفت بھی شدت سے کی۔ اور دعوت و داعی دونوں کے دشمن ہوگئے۔ انھیں حیرت تھی کہ یہ نیا داعی سارے خداؤں کو چھوڑ کر خدائے واحد و یکتا کی طرف کیسے بلا رہا ہے۔ کبھی حیرت اور غصہ کے ساتھ کہتے کہ

هذا ساحر كذاب اجعل الآلهة الها واحداً ان هذا لشئ عجاب (ص۔ ع ۱) — یہ شخص ساحر ہے، کذاب ہے۔ کیا اس نے تمام خداؤں کو بس ایک خدا بنا دیا ہے یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے۔

اور کبھی یہ کہتے کہ۔

ماسمعنا بهذا فی الملة الآخرة ان هذا الا اختلاق (ص ع ۱) — ہم نے تو یہ کبھی اپنے اگلے مذہب میں سنا نہیں ورنہ ہو یہ گڑھی ہوئی چیز ہے۔

اور اسی طرح قوم نوح نے بھی اپنے نبی کی دعوت توحید پر کہا تھا کہ

ماسمعنا بهذا فی آبائنا الاولین۔ (المومنون ع ۲) — ہم نے اپنے باپ دادوں سے کبھی تو یہ سنا نہیں۔

قدرۃً رسول اسلام کا یہ مطالبہ مخاطبین کو بہت عجیب معلوم ہوتا اور ناگوار بھی گزرتا۔ اور ان کی طرف سے فرمایش طرح طرح معجزات کی ہوتی اور بار بار ہوتی۔

کبھی کہتے۔

لولا یکلمنا اللہ او تاتینا آیۃ (البقرۃ ع ۱۴)
اللہ ہم سے خود بات کیوں نہیں کرتا۔ یا ہمارے پاس کوئی معجزہ کیوں نہیں آتا۔

اور کبھی پیغمبر کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ

لولا نزل علیہ آیۃ من ربہ (الانعام ع ۱)
اس کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں آتا۔

یہ مضمون بیسیوں آیتوں میں دہرایا گیا ہے۔ اور کبھی یہ لوگ معجزات کا نام بھی متعین طور پر لے دیتے کہ اگر اپنے دعوی رسالت اور تعلق باللہ میں سچے ہو تو فلاں فلاں خارق عادت واقعات کرکے ہمیں دکھا دو۔ چنانچہ کہتے۔

لولا انزل علیہ کنز او جاء معہ ملک (ہود ع ۲)
اس پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتار دیا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔

اور کبھی یہ کہتے۔

او یلقی الیہ کنز او تکون لہ جنۃ یاکل منھا (الفرقان ع ۱)
اس کی طرف آسمان سے کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا جس میں سے یہ کھاتے پیتے۔

اور کبھی ان فرمائشی خوارق و معجزات کی فہرست خاصی طول طویل ہو ج
مثلاً یہ کہنے لگے۔

لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا او تکون لک
ہم تجھ پر ایمان ہرگز نہ لائیں گے جب تک آ ہمارے لئے زمین سے چشمہ نہ جاری کردو۔

جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانھار خلالھا تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت الینا کسفا او تاتی باللہ والملائکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء (بنی اسرائیل ع ۱۰)

یا پھر تیرے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو، اور تو اس کے درمیان نہریں جاری کرے یا آسمان کا کوئی ٹکڑا تو ڈھا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا اللہ اور فرشتوں کو تو ہمارے سامنے لے آئے یا تیرے لئے گھر سونے کا ہو جائے (تو آسمان پر ہماری آنکھوں کے سامنے) چڑھ جائے

یہ ساری آیتیں مکی ہیں، اور ایسے فرمائشی معجزات کے مطالبے اہل مکہ خصوصاً قریش ہی کی جانب سے زیادہ پیش ہوتے رہتے تھے — اور ان کے شرک کے یہ معنی نہ تھے کہ یہ لوگ اللہ کے وجود کے منکر ہوں۔ اور اس کے بجائے اور اور خدا تسلیم کر رہے ہوں۔ نہیں یہ لوگ اللہ کے وجود کے پوری طرح قائل تھے۔ لیکن اسے خدائے واحد کیا نہیں، بلکہ صرف خدائے اعظم تسلیم کرتے تھے۔ یعنی گو سب سے بڑا خدا اللہ ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ہی شاید اس کے ماتحت اور بھی بہت سے خدا ہیں۔ اور جو دیوتا وحاجت روائی میں اسی کی طرح ہیں، بلکہ شاید اس سے بھی بڑھ کر۔ اور اس لئے اس شرکا سے متعلق میں تعلق انھیں سے زیادہ رکھنا چاہئے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ پر سخت جرح کی۔ اور بار بار سوالات کرکے: اہل جاہلیت کو ان کی جہالت پر متنبہ وآگاہ کیا چنانچہ ایک جگہ یہ جرحی سوالات بہت دور تک چلے گئے ہیں۔

ءآللہ خیر اما یشرکون امن خلق السماوات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا بہ

(بھلا بتاؤ تو کہ) اللہ بہتر ہے یا وہ جنھیں یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں؟ آیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے

حدائق ذات بهجة ما كان لكم
ان تنبتوا شجرها ءاله مع الله
بل هم قوم يعدلون امن جعل
الارض قرارا وجعل خلالها
انهارا وجعل لها رواسى
وجعل بين البحرين حاجزا ء
اله مع الله بل اكثرهم لا يعلمون
امن يجيب المضطر اذا دعاه و
يكشف السوء ويجعلكم خلفاء الارض
ءاله مع الله قليلا ما تذكرون امن
يهديكم فى ظلمات البر والبحر
ومن يرسل الرياح بشرا بين
يدى رحمته ءاله مع الله تعالى
الله عما يشركون - امن يبدؤا
الخلق ثم يعيده ومن يرزقكم
من السماء والارض ءاله مع الله
قل هاتوا برهانكم ان كنتم
صادقين -

(النمل ع ۵)

اس نے تمہارے لئے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے
ہم نے رونق دار باغ اگائے۔ اور تم سے تو ممکن نہ تھا کہ
تم ان کے درختوں کو اگا سکو۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی
اور خدا بھی ہے؟ وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ
بنایا اور اس کے درمیان درمیان ندیاں بنائیں
اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے
درمیان حد فاصل بنائی۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی
اور خدا بھی ہے؟ نہیں بلکہ ان میں سے اکثر تو سمجھتے
ہی نہیں۔ آیا وہ جو بیقرار کی فریاد سنتا ہے جب
وہ اس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے
اور تم کو زمین پر صاحب تصرف بناتا ہے۔ تو کیا اللہ
کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ بہت ہی کم تم لوگ
یاد رکھتے ہو۔ آیا وہ جو تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں
میں راستہ سجھاتا ہے۔ اور جو ہواؤں کو بارش سے
پہلے بھیجتا ہے۔ جو خوشخبری دیتی ہیں۔ تو کیا اللہ کے
ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ اللہ برتر ہے ان لوگوں کے
شرک سے۔ آیا وہ جو مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے
اور پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو تمہیں رزق
دیتا ہے آسمان و زمین سے۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی

اور خدا بھی ہو؟ آپ کہئے کہ تم اپنی دلیل لاؤ

اگر تم دعوائے شرک میں سچے ہو۔

ان آیتوں میں مشرکین پر حجت تمام کی ہے۔ کہ جب اللہ ہی خالق و ناظر، رازق و نافع اور ناظم امور ہے۔ اور تم اسے تمامتر تسلیم بھی کرتے ہو تو آخر یہ تمہیں کیا سودا ہے کہ تم اس کے ہوتے ہوئے دوسرے دوسرے خداؤں کی طرف جھکتے ہو۔ ان سے اپنی حاجتیں عرض کرتے ہو اور انہیں بھی درجہ معبودیت میں رکھتے ہو!

اور اس طرح کی آیتیں بلکہ ان سے بھی زیادہ واضح ایک دوسری جگہ بھی وارد ہوئی ہیں۔ رسول کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

قل لمن الارض ومن فیھا ان کنتم تعلمون سیقولون للہ قل افلا تذکرون قل من رب السموات السبع ورب العرش العظیم۔ سیقولون للہ قل افلا تتقون قل من بیدہ ملکوت کل شئ وھو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون سیقولون للہ قل فانی تسحرون (المؤمنون ع ۵)	آپ کہئے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ سب کس کے ہیں، اگر تم کچھ خبر رکھتے ہو؟ (اس پر) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ اللہ کے ہیں، (ان سے) کہئے کہ پھر تم کیوں غور نہیں کرتے۔ آپ یہ بھی کہئے کہ ان سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے۔ آپ کہئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ یہ بھی کہئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تمہیں کچھ بھی خبر ہے؟ اب بھی

وہ ضرور ہی یہ کہیں گے کہ یہ سب اوصاف اللہ کے ہیں۔ آپ کہئے کہ پھر تم کہیں کو خبط ہو رہا ہے

اور اسی طرح ایک جگہ اور انھیں مشرکوں کی زبان سے اقرار کرایا ہے کہ خالق آسمان و زمین اللہ ہی ہے۔

ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ (لقمان ع ۳)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ بول اٹھیں گے کہ اللہ نے۔

چنانچہ جن آیتوں میں اثبات توحید اور ممانعت شرک پر زور دیا ہے وہاں اکثر یہ بھی بڑھا دیا ہے کہ عبادت کا حقدار بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً (النساء ع ۶)

عبادت اللہ کی کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔

ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا (الکہف ع ۱۲)

انسان کو چاہیے کہ اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

جن کی عبادتوں میں یہ مشرکین عرب لگے رہتے تھے۔ ان کا وجود خارج میں سرے سے تھا ہی کہاں؟ ان لوگوں نے محض ایک خیالی اور فرضی وجود عطا کر رکھا تھا۔

ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم وآباؤکم

اور تم اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ تو بس نام ہی نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ

ما انزل اللہ بہا من سلطان　　　　داداؤں نے دے رکھے ہیں۔

(یوسف ع ۵)

اس شرک کا ایک خاص مظہر بت پرستی تھی۔ نام ہے کر اس کی مخالفت وارد ہوئی

فاجتنبوا الرجس من　　　　بتوں کی پلیدی سے بچو۔

الاوثان۔　　(الحج ع ۴)

اور یہ اوثان ہی کا لفظ پرانی مشرک قوموں یعنی قوم نوح (عنکبوت ع ۲) اور

قوم ابراہیم (عنکبوت ع ۳) کے حق میں بھی وارد ہو چکا ہے۔ یہ مورتیاں عموماً پتھر

کی بنی ہوئی ہوتی تھیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں دو جگہ جو ذکر آتش دوزخ کے

سلسلہ میں انسانوں کے ساتھ پتھروں کا آیا ہے، ایک جگہ سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳

میں وقودھا الناس والحجارۃ۔ اور دوسری جگہ انہیں الفاظ کے ساتھ سورۃ

التحریم کے رکوع اول میں تو دونوں جگہ بعض سے مراد پتھر کی تراشی ہوئی مورتیاں ہی

ہیں۔ اور ان بڑی مورتیوں میں۔ سے تین کا ذکر نام کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے

ایک لات دوسرے عزیٰ اور تیسرے منات۔

افرائیتم اللات والعزیٰ　　　　بھلا تم نے نظر نہیں کی ہے لات پر اور عزیٰ

ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ۔　　　　پر اور تیسرے اور منات پر۔

(النجم ع ۱)

تاریخ وسیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ یہ تینوں بت عرب کے مشہور و پرقوت

قبیلوں کے تھے۔ اور قرآن مجید نے قوم نوح کے جن دیوتاؤں کے نام سورۂ نوح

ع ۲ میں گنائے ہیں۔ ود۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق۔ نسر۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ

یہ بت جاہلی عربوں کے بھی تھے اور عراق سے آکر عرب میں بھی پہنچ گئے تھے۔

جاہلیت کا اپنی صفائی میں کہنا یہ تھا کہ ہم ان بتوں کو کہیں خدا تھوڑے ہی سمجھتے ہیں۔ ہم تو انہیں بارگاہ خداوندی کے لئے محض ایک وسیلہ گردانتے اور انہیں محض شافع یا سفارش کرنے والے مانتے ہیں۔

ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى (الزمر ع ۱)	ہم تو انہیں محض اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ اللہ سے ہمیں قریب کر دیں۔

اس پرستش خدا کے متعلق احترام اور اعتقاد کے ساتھ عمل میں ان مشرکین عرب کا یہ حال تھا کہ کھیتی پیداوار اور اپنے جانوروں میں جو حصے لگاتے، ان میں اللہ کے نام والے حصے تو بتوں کی طرف بے تکلف منتقل کر دیتے لیکن یہ نہ کرتے کہ بتوں والے حصے اللہ کی طرف منتقل کر دیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث والانعام نصيبا فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشركائنا فما كان لشركائهم فلا يصل الى الله وما كان لله فهو يصل الى شركائهم ساء ما يحكمون (الانعام ع ۱۶)	اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا ہے اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔ پھر جو ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی ہے اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے کیا بری تجویز ان لوگوں نے نکال رکھی ہے۔

ان مشرکانہ عقائد کا اثر ان مشرکوں کے اعمال اور ساری زندگی پر لازمی پڑا تھا اور یہ لوگ طرح طرح کے خرافات و اوہام میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک بڑی

ان کی عادت اولاد کشی تھی اور کھانے پینے کی چیزوں میں سے فلاں فلاں کو فلاں فلاں جنس کے لئے حرام کر لیتا تھا۔ قرآن مجید نے اسی سورۃ انعام کی اسی آیت کے متصل ان چیزوں کو بھی ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ شروع کی آیت ہے۔

وکذالک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم۔ (الانعام ع ۱۶)

اور اسی طرح کثرت سے مشرکین کے خیال میں بچوں اور لڑکوں کے ہلاک کر ڈالنے کو ان کے معبودوں نے اچھا بنا رکھا ہے تاکہ ان کو برباد کر دیں اور ان کے دین کو ان کی نظر میں مخلوط کر دیں۔

اور آخری آیت ہے۔

قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا بغیر علم وحرموا ما رزقھم اللہ افتراء علی اللہ قد ضلوا وما کانوا مھتدین (الانعام ع ۱۷)

یقیناً گھاٹے میں آ گئے جنھوں نے ہلاک کر ڈالا اپنی اولاد کو حماقت سے بغیر کسی سند کے اور اللہ نے جو کچھ کھانے پینے کو دیا تھا اسے حرام کر لیا۔ اللہ پر جھوٹ باندھ کر بیشک یہ لوگ گمراہ ہو گئے اور راہ یاب نہ ہوئے۔

بت پرستی کے علاوہ یہ مشرکین ملائکہ پرستی میں بھی مبتلا تھے۔ اور ملائکہ کو انھوں نے خدا کی بیٹیاں یا دیویاں ٹھہرا لیا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وجعلوا لہ من عبادہ جزءا ان الانسان لکفور مبین ام اتخذ مما یخلق بنات واصفٰکم بالبنین

اور ان مشرکوں نے خدا کے بندوں سے خدا کا ایک جزو ٹھہرا لیا۔ بیشک انسان صریح ناشکرا ہے۔ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں

(الزخرف ع ۲) — اپنے لیے بیٹیاں اور بیٹوں سے تمہیں معزز کیا۔

دوسری جگہ رسول سے خطاب ہے۔

فاستفتہم الربک البنات ولہم البنون ام خلقنا الملائکۃ اناثا وہم شاہدون۔ (الصافات ع ۵)

ان مشرکوں سے پوچھئے کہ کیا آپ کے پروردگار کے لیے تو لڑکیاں ہیں اور ان لوگوں کے لئے لڑکے ہیں؟ کیا ہم نے فرشتوں کو لڑکیاں پیدا کیا اور یہ لوگ اس کے گواہ تھے۔

ملائکہ پرستی کے علاوہ جنات پرستی بھی ان کے اندر موجود تھی۔

وجعلوا للہ شرکاء الجن وخلقہم (الانعام ع ۱۲)

ان مشرکوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنا لیا حالانکہ اللہ ہی نے انہیں پیدا کیا ہے۔

جنات کو وہ اللہ کا قرابت دار سمجھتے تھے۔

وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا (الصافات ع ۵)

ان مشرکوں نے اللہ اور جنات کے درمیان رشتہ داری بنا لی ہے۔

آفتاب پرستی اور ماہتاب پرستی کی جو صریح ممانعت قرآن مجید میں آئی ہے

لا تسجدوا للشمس ولا للقمر (حم السجدہ ع ۵)

نہ سورج کے آگے جھکو اور نہ چاند کے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاصر مشرکین عرب اجرام فلکی کی پرستش میں بھی مبتلا تھے۔

شراب، جوا اور تھانوں کی لعنتیں اتنی شائع تھیں کہ انہیں سختی سے روکنا پڑا۔

انما الخمر والمیسر والانصاب — بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھانوں کے

والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون۔

(المائدہ ع ۱۲)

تھان اور قرعہ کے تیر سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے۔ سو اب بھی تم ان چیزوں سے باز آؤ گے۔

اور سود خواری کو جس اہتمام سے قرآن نے منع کیا ہے۔ وہ اس دعوے کی ایک دلیل ہے اس واقعہ تاریخی کی کہ مشرکین عرب کے معاشرہ میں سود خوری خوب رچی بسی ہوئی تھی۔ ایک جگہ ارشاد ہوا۔

اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین

اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو بقیہ سود کو اگر تم واقعی مسلمان ہو۔

(البقرہ ع ۳۸)

دوسری جگہ بھی اسی تاکید کے ساتھ ہے۔

لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون

سود مت کھاؤ دونا چوگنا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

(آل عمران ع ۱۴)

تیسری جگہ اسی شدت کے ساتھ۔

الذین یاکلون الربوا لا یقومون

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) نہیں

الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس۔ (البقرہ ع ۳۸)	انھیں گے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے آسیب پہنچا کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

۱۱۔ بلکہ سب سے بڑھ کر۔

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (البقرہ ع ۳۸)	اگر تم سود نہیں چھوڑتے ہو تو اشتہار جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول سے۔

اولاد کشی کا مرض بھی (جو کچھ آج ہی کے حالات سے ملتا ہوا) معاشی بنیادوں پر خوب پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے علاوہ ان آیتوں کے جو پہلے مذکور ہو چکیں۔ اس کی ممانعت اور اس پر وعید خاص طور سے نازل ہوئی۔ مثلاً

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقہم وایاکم ان قتلہم کان خطأ کبیرا۔ (بنی اسرائیل ع ۴)	اور اپنی اولاد کو ہلاک نہ کر ڈالا کرو ناداری کے اندیشہ سے ہم ہی ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی بیشک ان کا مار ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

اس اولاد کشی میں بھی خصوصیت کے ساتھ رواج دختر کشی کا بعض قبیلوں میں تھا۔ ان کے شرمندہ کرنے کا ذکر حشر میں ان سے سوال کے وقت کا کیا گیا۔

واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت (التکویر ع ۱)	اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے (حشر میں) سوال ہوگا کہ وہ کس جرم میں مار ڈالی گئی۔

بے حیائی، بے حجابی، بلکہ بے ستری کے عیب بھی عام تھے۔ چنانچہ فاحشہ و فحشا کی ممانعت بار بار آئی ہے۔ اور اس قسم کی آیتیں بھی جا بجا ملتی ہیں۔

۵۔ ولا تقربوا الفواحش ما ظہر منہا	اور بے حیائیوں کے پاس بھی نہ جاؤ، خواہ

وما بطن (الانعام ع ۱۹) وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔

بائیسواں

قل انما حرم ربی الفواحش — آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بس

ما ظھر منھا وما بطن — بے حیائیوں کو حرام کر دیا ہے۔ خواہ علانیہ

(الاعراف ع ۴) — ہوں یا پوشیدہ۔

اور زنا کے لئے جو ہر جاہلی تمدن کی طرح عرب تمدن میں عام تھا، یہ تمہیدی حکم نازل ہوا۔

ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ — اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو، بیشک وہ

وساء سبیلا (بنی اسرائیل ع ۴) — بے حیائی ہے اور ایک بری راہ بھی۔

ایک دستور یہ بھی جاری تھا، کہ خوشحال لوگ اپنی باندیوں کے جسم کو کرایہ پر چلاتے تھے۔ وحی محمدی اسے کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔ ارشاد ہوا۔

ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء — اور اپنی باندیوں کو حرامکاری پر مجبور نہ

(النور ع ۴) — کرو۔

کہیں کہیں عورتوں کو وراثت کا مال سمجھ کر خود ان پر بھی قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ حکم آیا کہ ایسا ہرگز درست نہیں۔

لا یحل لکم ان ترثوا النساء — تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں

کرھا (النساء ع ۳) — کے مالک بن جاؤ۔

یہ بھی ایک دستور تھا، کہ اپنی حقیقی ماں کے سوا، اور جو عورتیں باپ کے عقد میں ہوتی تھیں، انھیں مال وراثت سمجھ کر انھیں اپنی بی بی بنا لیا جاتا تھا۔ یہ رسم

بھی حکماً سنائی گئی ۔

ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء الا ما قد سلف انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلا (نساء ع ۲)

اور تم ان عورتوں سے عقد مت کرو جن سے تمہارے باپ عقد کر چکے ہوں مگر ہاں جو ہو چکا ہو چکا بیشک یہ بڑی بے حیائی اور نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے ۔

عورتوں، مردوں کا آزادانہ میل جول اور اختلاط، اور لباس میں بے احتیاطی اور بد نظری ۔ آج ہی کل کی تہذیب و تمدن کی طرح عام تھیں۔ ان سب پر طرح طرح کی پابندیاں لگائی گئیں ۔ اور حد بندیاں عاید کی گئیں۔ ارشاد ہوا ۔

قل للمومنین یغضوا من ابصارہم ویحفظوا فروجہم ذلک ازکی لہم (النور ع ۴)

اے پیمبر مومنوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے

اور عورتوں کے حق میں اس سے کہیں زیادہ پابندیاں بڑھا کر ارشاد ہوا کہ

وقل للمومنات یغضضن من ابصارہن ویحفظن فروجہن ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر منہا ولیضربن بخمرہن علی جیوبہن ولا یبدین زینتہن الا لبعولتہن (النور ع ۴)

اور مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر ہونے نہ دیں بجز اس کے جو اس میں سے کھلا ہوا ہے اور اپنی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال رکھیں اور اپنی زینت ظاہر ہونے نہ دیں بجز اپنے شوہروں پر ۔

ان قریبی رشتوں کے نام بھی اس آیت میں آگے درج ہیں۔ رسالت محمدی کو جو معاشرہ تیار کرنا تھا۔ اس میں بہ خلاف معاشرۂ جاہلی کے یہ ساری قیدیں ضروری تھیں۔ چنانچہ آگے پھر ارشاد ہوا ہے کہ:-

ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن (النور ع ۴)

اور عورتیں زمین پر بھی اپنے پیر نہ ماریں کہ جس سے وہ زینت جسے وہ چھپاتی ہیں ظاہر ہو جائے۔

بلکہ ازواج نبی اور بنات نبی کے علاوہ عام مومنات کے لئے بھی یہ قاعدہ نافذ ہو گیا کہ

یدنین علیھن من جلابیبھن

اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکائے رہیں۔ (احزاب ع ۸)

ایک جامع آیت میں آپ کو یہ بتا دیا کہ عورتیں جب آپ کی خدمت میں بیعت اسلام کے لئے حاضر ہوں تو آپ ان سے بیعت فلاں فلاں امور کے لئے لیں

یا ایھا النبی اذا جاءک المومنٰت یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن (الممتحنہ ع ۲)

اے نبی جب مومنات آپ کے پاس اس امر پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کا شریک کسی شے کو نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی۔ اور نہ اپنی اولاد کو ہلاک کر ڈالیں گی اور نہ کوئی بہتان کی روداد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنا لائیں اور نہ شرعی باتوں میں آپ کے خلاف کریں گی۔ تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے۔

اور عورت کی عام حالت اس جاہلی معاشرہ میں یہ تھی کہ لڑکی کا وجود باپ کے لیے باعث ننگ و کدورت تھا۔ اور اس کے لیے ایسی شرم کی چیز تھی کہ وہ ہر طرف منہ چھپائے چھپائے پھرتا تھا۔

قرآن مجید عربی معاشرہ کا یہ نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھہ مسودًا وھو کظیم یتوارٰی من القوم من سوء ما بشر بہ ایمسکہ علیٰ ھون ام یدسہ فی التراب (نحل ع ۷)

اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے وہ اس خبر کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور دل میں سوچتا ہے کہ اسے ذلت کے ساتھ قبول کرے یا زندہ زمین میں دفن کر دے۔

جاہلی عرب کے عقائد اور اخلاق و معاملات کی دنیا میں تو یہ اندھیر مچا ہوا تھا ہی۔ عبادات کے عالم میں بھی سکہ جہالت و جاہلیت ہی کا رواں تھا۔ کعبہ کو واجب التعظیم اور اس کے زائرین کی خدمت کو اپنے لیے باعث فخر و سعادت یہ لوگ بھی اپنے لیے سمجھتے تھے۔

جیسا کہ سورہ توبہ کے رکوع ۳ کی آیت اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام سے ظاہر ہو رہا ہے لیکن ان کی عبادات کا طریقہ کیا تھا؟ خانہ کعبہ کے گرد سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا!

وما کان صلاتھم عند البیت الا مکاء وتصدیۃ (انفال ع ۴)

ان مشرکوں نے خانہ کعبہ کا پاس نہیں کیا بجز سیٹیاں بجانے اور تالیاں بجانے کے۔

بلکہ اس عبادت کے وقت تو ان جاہلیوں کو رفع برہنگی اور لباس ساتر کی بھی پروا نہ تھی اور اس لئے قرآن مجید نے تاکید کی کہ

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (الاعراف ع ۳) — اے بنی آدم تم مسجد میں حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

اور مسلمانوں کی عبادت پر تو یہ لوگ اہل کتاب کے ساتھ مل کر مضحکہ و استہزا ہی کرتے رہتے۔

واذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزوًا و لعبًا (المائدہ ع ۹) — اور اے مسلمانو جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو یہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں۔

مشرکین عرب کے بنیادی عقائد کے سلسلہ میں ان کی اعتقادی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی عملی، معاشرتی، اخلاقی زندگی کا بھی ذکر آ گیا۔ لیکن شرک جلی کی یہی ایک قسم ان میں رائج نہ تھی بعض کے عقائد کے ڈانڈے دہریت کی سرحدوں سے چھو جاتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ماھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر۔ (الجاثیہ ع ۳) — کوئی اور زندگی نہیں ہے بجز اس دنیوی زندگی کے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہمیں کوئی نہیں مارتا ہے بجز زمانے کے۔

یعنی کوئی خالق بالا رادہ موجود نہیں۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ مادی حیثیت سے زمانہ ہی کے الٹ پھیر سے ہوتا رہتا ہے۔ اور آخرت کی جزا و سزا سے انکار تو ان کے ہاں عام تھا۔ اور جو خدا کے کسی درجہ میں قائل بھی تھے وہ بھی اس کے قائل

بہرحال نہ سمجھے کہ موت کے بعد کسی اور عالم میں جانا اور وہاں کسی حاکم سے سابقہ پڑنا، اور کسی مالک کے حضور میں جانا ہے۔ یہ علانیہ کہتے

ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین (انعام ع ۳) کہ زندگی تو بس فی الحال کی ہو اور ہم بعد کو اٹھائے جانے کے نہیں۔

انکار آخرت کے اقوال قرآن مجید نے ان لوگوں کی زبان سے اس کثرت سے نقل کئے ہیں کہ معلوم ایسا ہونے لگتا ہے کہ شاید انکار توحید سے بھی بڑھ کر یہ لوگ انکار آخرت میں سخت تھے اور یہ بات ان کی سمجھ میں کسی طرح نہیں آرہی تھی۔ کہ اس حیات مادی کے بعد ایک اور عالم بھی ہے۔ جہاں اس زندگی کے اعمال کی پرسش ہوگی۔ دس بیس نہیں بلکہ شاید سیکڑوں اقوال سے صرف دو چار بطور نمونہ نقل ہو جانے کافی ہوں گے۔

یقولون ءانا لمردودون فی الحافرۃ ءاذا کنا عظاما نخرۃ قالوا تلک اذا کرۃ خاسرۃ۔ (والنازعات ع ۱) کہتے ہیں کہ ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ پھر واپس ہوں گے کہتے ہیں کہ اس صورت میں یہ واپسی بڑے خسارہ کی ہوگی۔

اور جنات کی زبان سے ہے۔

وانھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احدا۔ (الجن ع ۱) اور جیسا کہ جنات نے خیال کر رکھا تھا۔ ویسا ہی ان انسانوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کریگا۔

اور پھر ایک جگہ منکرین کا قول نقل کیا ہے۔

ھٰذا الشئ عجیب، اذا متنا وکنا تراباً ذالک رجع بعید (ق - ع ۱)	یہ تو عجیب بات ہے۔ کیا جب ہم مر گئے۔ اور مٹی ہو گئے تو دوبارہ زندہ ہوں گے ایسا دوبارہ زندہ ہونا تو بہت ہی بعید ہے۔

پیمبر کی اس تذکیر آخرت پر بڑی حیرت سے یہ لوگ آپس میں کہتے۔

ھل ندلکم علیٰ رجل ینبئکم اذا مزقتم کل ممزق انکم لفی خلق جدید، افتریٰ علی اللہ کذباً ام بہ جنۃ (السباء ع ۱)	ہم تم کو ایسا آدمی بتائیں۔ جو تم کو یہ خبر دیتا ہو کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے۔ اس شخص نے یا تو خدا پر جھوٹ باندھا ہے یا اسے کسی طرح کا جنون ہے۔

اتنے ہی قول بالکل کافی ہیں۔ ورنہ اگر سارے قول منکرین آخرت کے نقل ہوں مع ان جوابات کے۔ جو قرآن مجید نے رسول اللہ صلعم کی زبان سے ادا کر دیئے ہیں۔ تو مقالہ اپنے حدود سے گزر کر ایک مستقل رسالہ کی ضخامت اختیار کر جائے۔

انھیں مشرکین میں ایک بہت بڑا فرقہ ایسا بھی تھا، جو کو خدا اور خدائے اعظم کا قائل کسی حد تک تھا۔ لیکن وحی الہٰی اور نبی کے ذریعہ سلسلۂ ہدایت کا یکسر منکر تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ تو آجاتا تھا کہ خدا کے اوتار دے یا یہ کہ خدا خود انسانی قالب اختیار کر کے دنیا میں آ گیا۔ لیکن یہ کسی طرح بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خدا نے ایک بشر کو ذریعۂ ہدایت بنا کر بھیجا اور اس سے مرضیات الہٰی کے تمام نکتے اور طریقے بتائے یہ لوگ بگڑ کر کہتے۔

ابشر یھدوننا (التغابن ع ۱)	ہماری ہدایت کو بشر آتے ہیں

اور کبھی یہ کہ :

ابعث اللہ بشرا رسولا ۔ کیا خدا نے رسول بنا کر بشر کو بھیجا ہے ؟

(بنی اسرائیل ع ۱۱)

کبھی آپس میں پیغمبر کے حق میں سرگوشیوں میں کہتے ۔

ھل ھذا الا بشر مثلکم ۔ یہ تو بس تم ہی جیسا ایک بشر ہے

(انبیاء ع ۱)

اور کبھی آپ کے لوازم بشریت کو آپ کے خلاف بطور دلیل کے پیش کرتے ۔

مال ھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک (الفرقان ع ۱) اس پیغمبر کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا ۔

اور یہ چونکہ بشر پر وحی آنا ان لوگوں کے دماغ کی رو سے بشریت کے منافی تھا ۔ اس لئے یہ لوگ قدرۃً تکذیب رسول پر مجبور تھے ۔ اور کبھی یہ کہتے کہ آپ مجنون ہیں ۔

وقالوا یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون ۔ اور ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے ۔ تم تو مجنون ہو

(الحجر ع ۱)

کبھی کہتے ۔

ام بہ جنۃ (السبا ع ۱) ۔ انھیں کیا کچھ جنون ہے ۔

قرآن نے خود ان کے متعلق سوال کیا ہے ۔

ام یقولون بہ جنۃ (المومنون ع ۴) کیا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں

کبھی ان کی تشخیص و تجویز میں آپ خیالی مضمون باندھنے رہے اور موثر عبارت میں ادا کرنے والے شاعر ٹھہرتے۔ اور آپ کی وحی قرآنی ایک خواب پریشاں اور آپ کی گڑھی ہوئی قرار پائی۔

بل قالوا اضغاث احلام بل افتراہ بل ھو شاعر (الانبیاء ع ۱)	بلکہ یوں کہا کہ یہ تو خیالات پریشاں ہیں۔ بلکہ انھوں نے اسے تراش لیا ہے۔ بلکہ یہ ایک شاعر شخص ہے۔

دوسری جگہ قرآن نے کہا ہے۔

ام یقولون شاعر نتربص به ریب المنون (الطور ع ۲)	کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں

اور کبھی شاعری کے ساتھ دیوانگی کا بھی اضافہ کر دیتے۔

ویقولون ائنا لتارکوا آلھتنا لشاعر مجنون (الصافات ع ۲)	اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی خاطر چھوڑ دیں؟

اور کبھی الفاظ بدل کر اسی مضمون کو یوں ادا کرتے۔

وقد جاءھم رسول مبین ثم تولوا عنه وقالوا معلم مجنون (الدخان ع ۱)	بیشک ان کے پاس ایک کھلا ہوا پیغمبر آ چکا پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور کہتے رہے کہ یہ سکھایا ہوا ہے۔ دیوانہ ہے۔

شاعری اور جنون کے ساتھ ایک تیسری تشخیص سحر زدگی کی بھی تھی۔

قال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا (الفرقان ع ۱)	یہ ظالم لوگ (آپس میں) کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

اور یہی مضمون ایک دوسری جگہ :-

إذ هم نجوىٰ إذ يقول الظالمون إن تتبعون إلا رجلاً مسحوراً (بنی اسرائیل ع ۵)

(ہم خوب جانتے ہیں) جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، اور جبکہ یہ ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

اور کبھی آپ کی نسبت سحر و کہانت کی جانب کرتے جو ان کی دانست میں دو زبردست اور موثر فن، غیب سے تعلق رکھنے والے تھے۔ قرآن مجید کو اس کی صاف صاف تردید کرنا پڑی۔ اور کہنا پڑا :-

وما هو بقول شاعر (الحاقہ ع ۲) یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔

اور

وما هو بقول كاهن (ایضاً) یہ کسی کاہن کا کلام نہیں۔

یہ باہم خود بھی کبھی کسی ایک بات پر جمتے نہ تھے۔ اور قرآن نے انھیں مخاطب کر کے صاف صاف کہہ دیا کہ :-

إنكم لفي قول مختلف يؤفك عنه من أفك (الذاریات ع ۱) تم لوگ مختلف گفتگو میں پڑے ہوئے ہو، اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا مقدر ہوتا ہے

اور ان کے خرافات کے الگ الگ بھی جوابات دیئے اور ان کی ایک ایک غلط بیانی کی تردید کی۔ مثلاً

وما صاحبكم بمجنون (التکویر) اور یہ تمہارے رفیق دیوانے نہیں ہیں۔

یا

وما انت بنعمة ربك	آپ اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے
بمجنون (القلم ع ۱)	نہیں ہیں۔

یا پھر

فما انت بنعمة ربك بكاهن	تو آپ اپنے پروردگار کے فضل سے نہ کاہن
ولا مجنون۔ (الطور ع ۲)	ہیں نہ دیوانے۔

قرآن کے اثر سے ان منکرین و معاندین کے لئے بھی انکار ممکن نہ تھا مشاہدہ کی چیز تھی۔ قرآنی اثر کی گہرائی اور وسعت دونوں یہ براہ راست مشاہدہ ہی کرتے رہتے تھے۔ اس لئے بالآخر یہ ہوئی کہ ہو نہ ہو یہ قرآن انھوں نے دل سے گڑھ لیا ہے۔ اور ان کی امداد و اعانت پر ایک پوری جماعت لگی ہے۔

ان هذا الا افك افتراه	یہ قرآن تو نرا ایک گڑھنت ہے جس کو اس
واعانه عليه قوم آخرون	شخص نے گڑھ لیا ہے اور ایک اور جماعت
(الفرقان ع ۱)	نے اس میں ان کی مدد کی ہے۔

پھر آپ کے وصف امیت سے بھی چونکہ یہ لوگ براہ راست واقفیت رکھتے تھے اس واسطے یہ کہتے کہ یہ اگلوں کی خرافاتی حکایات انھوں نے کسی سے لکھوا رکھی ہیں۔ اور وہ انھیں صبح و شام پڑھ کر سنا دی جاتی ہیں۔

وقالوا اساطير الاولين	یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو اگلوں کے بے سند
اكتتبها فهى تملى عليه بكرة	قصے ہیں جن کو اس شخص نے کسی سے
واصيلا (الفرقان ع ۱)	لکھوا لیا۔ اور یہی اس کو صبح و شام پڑھ کر
	سنا دی جاتی ہیں۔

(ب)

یہود و نصاریٰ

مکی سورتوں میں ذکر کثرت سے المشرکین کا اور الذین اشرکوا کا، یا مطلق صورت میں الذین کفروا کا یا الکفار کا اور الکافرون کا آیا ہے یا پھر ان سے بھی مطلق تر صورت میں الناس کا آیا ہے۔ لیکن مدنی سورتوں میں یہ تخاطب و نداکرت اھل الکتاب یا الذین اوتوا الکتاب سے بدل گئی ہے۔

اہل کتاب سے آپؐ کا سابقہ مدینہ میں آکر پڑا۔ اور اہل کتاب سے مراد عموماً یہودی ہیں۔ مگر کہیں کہیں نصرانی بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ قیام مکہ میں جب تک سابقہ صرف مشرکین یعنی منکرین توحید و آخرت سے رہا۔ اعتراضات کی نوعیت دوسری رہی قیام مدینہ کے بعد دوسری ہو گئی۔ اس لئے کہ یہ لوگ توحید اور سلسلۂ وحی و نبوت کے لفظاً قائل تو بہرحال تھے۔ آپؐ نے آتے ہی اہل کتاب کو صلح و آشتی کا پیغام قرآن کی زبان سے اور اس کے حکم کی تعمیل میں دے دیا تھا اور اس قسم کی آیتیں بار بار تلاوت فرمادی تھیں۔

قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ   آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب ایسے قول کی

کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد — طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہو ، یہ
الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا — کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں
یتخذ بعضنا بعضا اربابا من — اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں ، اور ہم میں
دون اللہ (آل عمران ع ۷) — سے کوئی کسی کو (اپنا) رب بجز اللہ کے نہ ٹھہرائے

اور اس حقیقت کو بار بار دہرایا کہ جو کتاب میں لے کر آیا ہوں یہ تو عین تمہاری کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے ۔ کہیں اس کتاب کو ۔

مصدق لما معھم (بقرہ ع ۱۱) — جو کچھ ان کے پاس ہو اس کی تصدیق کرنے والی

ارشاد فرمایا گیا اور کہیں ۔

ھو الحق مصدقا لما معھم (بقرہ ع ۱۱) — یہ تو عین حق ہو اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والی ۔

اور کہیں ۔

مصدقا لما بین یدیہ (بقرہ ع ۱۲) — اپنے سے پیشتر والی کی تصدیق کرنے والی ۔

اور کہیں ۔

مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب (المائدہ ع ۷) — اپنے سے پیشتر والی کتاب کی تصدیق کرنیوالی

اور کہیں

مصدق الذی بین یدیہ (الانعام ع ۱۱) — اپنے پیشتر والی کی تصدیق کرنے والی ۔

وغیرہ اور کہیں بجائے صیغۂ غائب کے صیغۂ مخاطب میں ۔

مصدقا لما معکم — جو کچھ تمہارے پاس ہو اس کی تصدیق کرنیوالی

اور کہیں کتاب کے بجائے خود صاحب کتاب یعنی رسولؐ ہی کو اصالتاً کتب سابقہ کا مصدق کہہ کر پیش فرمایا گیا ہے۔

رسول من عند اللہ مصدق لما معہم (بقرہ ع ۱۲) — یہ خدا کی طرف سے رسول ہیں تصدیق کرنے والے اس کے جو کچھ تمھارے پاس ہے۔

یا

رسولٌ مصدق لما معکم (آل عمران ع ۹) — رسول تصدیق کرنے والے اس کے جو کچھ تمھارے پاس ہے۔

وقس علیٰ ہذا۔ اور کہیں کہیں نام کی صراحت کے ساتھ یہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ توریت و انجیل خدا کی کتابیں تھیں۔ قرآن مجید کی پیش رو اور اپنے مخاطبین کے لئے سرچشمۂ ہدایت و رحمت۔ مثلاً

وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدی للناس (آل عمران ع ۱) — اور اللہ نے اتاری توریت و انجیل اس سے قبل لوگوں کی ہدایت کے لئے

یا

وآتینا موسی الکتاب وجعلنٰہ ھدی لبنی اسرائیل (بنی اسرائیل ع ۱) — اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ ٹھہرایا۔

یا پھر

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور (المائدہ ع ۶) — بے شک ہم نے اتاری توریت جس میں ہدایت اور نور تھے۔

اسی طرح مکرر ...

ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً و رحمۃ (پارہ ۲۶۔ احقاف ع ۲) — اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب جو رہنما اور ایک رحمت ہے۔

علی ہذا یہ آیت بھی۔

وآتیناہ الانجیل فیہ ھدی ونور ومصدقاً لما بین یدیہ من التوراۃ وھدی وموعظۃ للمتقین (المائدہ ع ۷) — اور ہم نے (عیسیٰ) کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور جو تصدیق کرتی ہے اپنے سے پہلے نازل ہونے والی توریت کی اور جس میں ہدایت و نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

اور پھر اسی سلسلہ میں یہ آیت بھی۔

ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ (ایضاً) — اور انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ نے جو کچھ اس میں اتارا ہے فیصلہ اس کے مطابق کریں۔

لیکن اس ظاہری رواداری اور مصلحت کوشی کے باوجود ان گروہوں کا رویہ غیر دوستانہ اور ناصالحانہ ہی رہا۔ یہ بات بظاہر عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس رویہ میں کوئی بات خلاف توقع نہ تھی۔ صدیوں کے بگڑنے نے ان کی طبیعتوں کو مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ اور عقائد و اعمال دونوں ان کے اس قسم کے ہو گئے تھے کہ دعوت اسلامی کی زد ۔۔۔ براہ راست اپنے اوپر محسوس کرتے تھے۔

یہود ایک دینی اور مذہبی اصطلاح ہے۔ قومی اور نسلی نام ان لوگوں کا بنی اسرائیل تھا۔ بڑا غرہ ان کو اپنی عالی نسبی اور پیغمبر زادگی پر تھا۔ گناہ کی جو منزل بھی ان کے سامنے آجاتی بلا تامل اس پر گامزن ہو جاتے اور سمجھتے کہ معاف تو بہرحال ہم

رہ ہی جائیں گے۔ قرآن مجید نے یہ نقشہ یوں کھینچا ہے۔

یاخذون عرض ھذا الادنیٰ	یہ لوگ مال متاع اس دنیائے دنی کا لیتے
ویقولون سیغفرلنا وان یاتھم	ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ضرور
عرض مثلہ یاخذوہ	ہو جائے گی۔ اور اگر ایسا ہی مال متاع پھر
(الاعراف ع ۲۱)	آ جائے تو اسے بھی لے لیں۔

اور کبھی یہی چیز نازگی کے فخر و پندار میں مبتلا ہو کر کہنے لگتے، کہ

لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ	سوا گنتی کے چند روز کے دوزخ کی آگ
(البقرۃ ع ۹)	تو ہمیں چھوئے گی ہی نہیں۔

(ایاما معدودات (آل عمران ع ۳)

اور اس قسم کی ساری خوش خیالیاں اس بنا پر تھیں کہ انھوں نے بنیادی عقیدے بھی خود ہی گھڑ رکھے تھے۔

وغرھم فی دینھم ما	اور دین کے بارہ میں ان کے گڑھے ہوئے
کانوا یفترون	عقیدوں ہی نے تو انھیں دھوکے میں ڈال
(آل عمران ع ۳)	رکھا ہے۔

اپنے علماء و مشائخ کی تعظیم و تکریم میں غلو کر کے انھیں پرستش کا درجہ دے رکھا تھا۔ اور سمجھ رکھا تھا کہ ان سے کسی قسم کی غلطی و لغزش کا امکان ہی نہیں۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم	ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ اپنے عالموں
اربابا من دون اللہ (التوبۃ ع ۵)	مشائخوں کو بھی خدا بنا کر کھڑا کیا ہے۔

جنت یا آسمانی بادشاہت میں داخلہ کو یہ اپنی اپنی قوم کے ساتھ مخصوص سمجھ

چلے تھے۔ قرآن مجید نے اس پر جرح کی اور ان سے حجت طلب کی۔ تو یہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے ارشاد ہوا ہے۔

وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ (البقرۃ ع ۱۳)

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود یا نصاریٰ کے سوا کوئی جانے بھی نہ پائے گا۔ یہ انکی اپنی دلی کی آرزوئیں ہیں۔ آپ ان سے کہئے کہ اپنی دلیل تو پیش کرو، اگر اپنے دعوے میں سچے ہو۔

معاصر یہود ہر چند اوعائے دینداری دنیا پرستی میں اوپر سے لے کر نیچے تک ڈوبے ہوئے تھے۔ رسول کی زبان سے انھیں کہلا یا گیا کہ عالم آخرت کو اپنے ہی لئے مخصوص سمجھتے ہو۔ تو پھر موت کی تمنا کر دیکھو۔ لیکن یہ تمنا یہ لوگ کرتے تو کیسے کرتے حُبِّ دنیا میں سرتا پا غرق جو تھے۔

قل ان کانت لکم الدار الاخرۃ عند اللہ خالصۃ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظالمین (البقرۃ ع ۱۱)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر عالم آخرت مخصوص تمہارے ہی لئے ہے بغیر اوروں کی شرکت کے، تو تم موت کی تمنا کر کے دکھلا دو اگر تم سچے ہو۔ اور یہ ہرگز اس کی تمنا کبھی بھی نہ کریں گے۔ بسبب ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں بھیجے ہیں، اور اللہ کو خوب علم ہو ان ظالموں کا۔

قبول حق کی طرف سے ان کی آنکھیں اور ان کے قلب سب بند تھے۔ اور یہ فخریہ کہتے تھے۔

قالوا قلوبنا غلف (البقرۃ ع ۱۱)

یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں۔

یہود و نصاریٰ دونوں نسلی مفاخرت کے مرض میں بری طرح مبتلا تھے۔ اور
خدا کے ساتھ اپنا مخصوص رشتہ سمجھے ہوئے تھے۔

وقالت الیھود والنصاریٰ — یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کے
نحن ابناء اللہ واحباؤہ (المائدہ ع ۳) — خاص فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔

رسول کی شناخت میں یہ نہیں کہ انہیں کوئی غلط دھوکا ہو گیا ہو جان بوجھ کر
محض اپنی بدنفسی سے رسول کی صداقت کا انکار کر رہے تھے۔

فلما جاءھم ما عرفوا کفروا — پھر جب ان کے پاس وہ چیز آ پہنچی جسے
بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین — یہ پہچانتے ہیں تو یہ اس کا انکار کر بیٹھے، سو
(البقرہ ع ۱۱) — اللہ کی لعنت ہو ایسے منکروں پر۔

علامتوں سے تو یہ رسول اللہ کو اس طرح پہچان چکے تھے جیسے اپنی قوم والوں کو
پہچانتے تھے محض ضد اور نفسانیت قبول حق کی راہ میں حائل ہو گئی۔

الذین آتیناھم الکتاب — جن لوگوں کو پہلے کتاب آسمانی مل چکی ہے
یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم — وہ ان (رسول) کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا
(البقرہ ع ۱۷) — اپنے ہی (قوم کے) فرزندوں کو۔

ان کے احبار و شیوخ جن کی تقلید و اقتداء میں یہ سب جاتے ہیں، ان کی خود یہ
حالت تھی کہ ہر طرح کی زراندوزی اور باطل پرستیوں میں مبتلا تھے۔

وان کثیرا من الاحبار والرھبان — بے شک (ان اہل کتاب) کے اکثر علماء و مشائخ
لیاکلون اموال الناس بالباطل — لوگوں کے مال ناحق ناروا ڈکوتے اور راہ خدا
ویصدون عن سبیل اللہ (التوبہ ع ۵) — سے لوگوں کو روکتے رہتے ہیں۔

یہود جس درجہ کی دنیا پرستی میں مبتلا تھے، قرآن مجید نے اسے بار بار چیلنج کیا ہے۔ ایک آدھ آیت اس مضمون کی ابھی آپ سن چکے ہیں۔ اب دو ایک آیتیں اور ملاحظہ ہوں۔

قل یا ایھا الذین ھادوا ان	اے پیمبر آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو جو یہودی
زعمتم انکم اولیاء للّٰہ من دون	ہو چکے ہو اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم خدا کے چہیتے ہو
الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین	دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر۔ تو اگر سچے ہو تو موت کی
ولا یتمنونہ ابداً بما قدمت ایدیھم	تمنا کر دکھاؤ۔ لیکن تم یہ تمنا کبھی نہ کر سکو گے بسبب
واللّٰہ علیم بالظالمین۔	ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہو۔ اور اللہ
(الجمعہ ع ۱)	خوب واقف ہے ایسے ظالموں سے۔

ان آیتوں سے صاف جھلک رہا ہے کہ یہودی ضمیر خود اپنے تئیں مجرم سمجھ رہا تھا اور اس کا رد و انکار نبوت محمدی سے ہرگز کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر نہ تھا۔

اور ایک جگہ اور انہیں یہود کے سیاق میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولتجدنھم احرص الناس علی	اور آپ انہیں زندگی کا حریص اور آدمیوں سے
حیاۃ ومن الذین اشرکوا یود احدھم	بڑھ کر پائیں گے مشرکوں سے بھی بڑھ کر۔ ان میں
لو یعمر الف سنۃ وما ھو بمزحزحہ	سے ہر ایک اس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار
من العذاب ان یعمر واللّٰہ بصیر	سال کی ہو۔ حالانکہ یہ امر کہ اتنی عمر ہو جائے
بما یعملون	عذاب سے تو بچا سکتا نہیں۔ اور اللہ کے سامنے
(البقرہ ع ۱۱)	پیش نظر ہیں ان کے اعمال۔

اس سے زیادہ تصریح اس حقیقت کی کیا ہوگی کہ معاصر یہود کی دنیا پرستی مشرکین

تھا۔ سے بڑھ کر ہوئی تھی، اور اتنا ہی نہیں، بلکہ قرآن کی روشنی میں تو یہ صاف نظر آجاتا ہے
کہ یہ جو کچھ بھی کر رہے تھے، سب بالارادہ اور نفسانیت سے مغلوب ہو کر۔

بئسما اشتروا به انفسهم ان یکفروا بما انزل الله بغیاً ان ینزل الله من فضله علیٰ من یشاء من عبادہ فباءو بغضب علیٰ غضب (بقرہ ع ۱۱)

بری ہے وہ حالت جس میں پڑ کر وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں، یعنی انکار کرتے ہیں ایسی چیز کا جو اللہ نے نازل فرمائی محض اس ضد پر کہ اللہ اپنے فضل سے جس بندہ پر چاہے اسے نازل فرمائے۔ سو یہ لوگ مستحق ہو گئے غضب بالائے غضب کے۔

اور یہ بغیاً بینهم یعنی آپس کی ضدم ضدا کا لفظ قرآن مجید بار بار ان لوگوں کے لئے لایا ہے اور خود اس آیت میں تو صاف ہے کہ یہ لوگ جو ایمان نہیں لا رہے ہیں، تو محض رشک و عناد کی بنا پر، اور عناد کی بنا کھلی ہوئی یہ تھی کہ یہ لوگ اعزاز نبوت کا مستحق صرف اپنی قوم اسرائیلیوں کو سمجھتے تھے اور انہیں اس کا حسد تھا کہ یہ نعمت ان کی قوم سے نکل کر ایک عرب یا اسمٰعیلی کو کیسے مل گئی۔ قرآن مجید نے حسداً من عند انفسهم کے علاوہ ان کی اس خاص ذہنیت کی بھی پردہ دری کی ہے۔

ام یحسدون الناس علیٰ ما آتاهم الله من فضله (النساء ع ۸)

کیا یہ لوگ ان لوگوں سے حسد کرتے رہتے ہیں جنہیں اللہ نے اپنے فیض سے نوازا ہے؟

یہ اپنی آسمانی کتابوں میں کھلی کھلی تحریف کر چکے تھے۔ اور ان کی جسارتیں تو بڑھ گئی تھیں کہ اپنی مرضی و مصلحت کے مطابق جو چاہتے ان خدائی صحیفوں میں

گھٹا بڑھا دیتے۔ قرآن مجید نے یہ جرم ان پر ایک بار نہیں بار بار عائد کیا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون۔ (البقرہ ع ۹)

ان ہی یہود میں سے لوگ ایسے بھی گزرے ہیں کہ جو کلام الٰہی کو سنتے تھے اور پھر اس کے سمجھ لینے کے پیچھے اس میں تحریف کر ڈالتے تھے اور وہ جانتے بھی تھے۔

اور اسی کے چند سطروں بعد ارشاد ہوا ہے۔

فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔ (البقرہ ع ۹)

بڑی ہی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے۔ پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد تھوڑے سے لیں سو ان کے لئے بڑی ہی خرابی آئے گی۔ ان کو اس کی بدولت جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا۔ اور بڑی خرابی ہوگی ان کو اس کی بدولت جسے وہ وصول کیا کرتے تھے۔

اور یہاں سے یہ بھی صاف ہوگیا کہ اس تحریف سے مقصود تمام تر حصول دنیا ہی ہوتا۔ اسی دنیا کی کوئی منفعت یا منفعت۔۔۔ ایک اور نقشہ ان کی اسی جسارت دنیوی اغراض کے لئے بیان کا ملاحظہ ہو۔

وان منھم لفریقا یلون السنتھم

اور ان اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی ہیں جو

بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وما ھو من الکتاب، ویقولون ھو من عند اللہ وما ھو من عند اللہ ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون

(آل عمران ع ۸)

کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب سے کہ پڑھتے ہیں، تاکہ تم لوگ اس کو کتاب کا جزو سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہے حالانکہ وہ خدا کے پاس سے نہیں ہے۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، درآنحالیکہ اسے جانتے بھی ہیں

ان کے اس تصرف وتحریف کا ذکر ایک جگہ اور ملاحظہ ہو۔

ومن الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ

(النساء ع ۷)

یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو کلام کو اس کے موقعوں سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔

اور پھر اس فرد جرم کی تاکید وتکرار کے طور پر ایک جگہ اور ۔

یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ ولا تزال تطلع علی خائنۃ منھم الا قلیلا منھم

(المائدہ ع ۳)

یہ لوگ کلام کو اس کے موقعوں سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور یہ لوگ جو بھی انہیں نصیحت کی گئی تھی۔ اس کا ایک بڑا حصہ بھلا بیٹھے ہیں اور آپ کو ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی ہی رہتی ہے۔

پھر ان میں سے معدودے چند کے سوا یہیں سے اس حقیقت تاریخی پر بھی روشنی پڑ گئی کہ حضور کے زمانہ میں بداخلاقی اور بددیانتی عام ہو چکی تھی۔ اور اخلاق کی پستی اس حد کو پہنچ چکی تھی اور ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو۔

اور سحت کے اندر رشوت وغیرہ سارے ہی قسمیں حرام کی آگئیں۔ لہ

اور پھر اسی سیاق میں چند سطریں آگے چل کر ارشاد اور زیادہ صراحت و عموم کے

ساتھ ہوتا ہے۔

وتریٰ کثیرا منھم یسارعون	اور آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہیں
فی الاثم والعدوان واکلھم	جو دوڑ دوڑ کر معصیت اور سرکشی اور حرام خوری
السحت لبئس ما کانوا یعملون	پر گرتے ہیں۔ واقعی بہت بُرے ہیں ان کے
(المائدہ ع ۹)	یہ کرتوت۔

اس عموم کے اندر سب ہی کچھ آگیا ــــ اور متصلاً بعد اس راز سے ایک اور

پردہ اٹھتا ہے۔

لولا ینھٰھم الربانیون	آخر ان کو ان کے مشائخ و علماء گناہ کی بات
والاحبار عن قولھم الاثم و	کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں

اکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون (ایضاً) روکتے؟ واقعی بہت بُرا ہے ان کا یہ کردار۔

اور یہ اکابر اپنے اصاغر کو روکتے کیسے۔ یہ تو خود ہی اس بلا میں مبتلا اور اسی

کشتی میں سوار تھے۔ چند سطر اور آگے بڑھ کر یہود و نصاریٰ دونوں کو ملا کر عام

اہل کتاب کے حق میں ارشاد ہوتا ہے۔

وکثیر منھم ساء ما یعملون (ایضاً) ان میں سے بہتوں کے کردار بُرے ہی ہیں

لہ سحت نام ہے ہر اس حرام خوری کے لئے جو انسان کے لئے باعث ننگ و رسوائی ہو۔ ھو کل

حرام قبیح الذکر یلزم منہ العار (کلیات ابی البقاء)

اور پھر ان عام اہل کتاب کے کفر و طغیان کے لئے یہ آیت شاہد و صادق ہے۔

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (المائدہ ع ۱۰)	اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے وہ ضرور ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر بڑھا دیتا ہے تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیا کیجئے۔

اس آخری فقرہ نے ضمناً یہ بھی ظاہر کر دیا کہ حضورؐ نہایت شفقت سے ان منکروں سرکشوں اور معاندوں کی خاطر بھی غمگین رہا کرتے تھے۔

یہود و نصاریٰ اصلاً دونوں قومیں موحد تھیں، بلکہ یہود میں تو آثار توحید زیادہ نمایاں اور بہت عرصہ تک قائم رہے تھے، پھر بھی یہ لوگ مشرک قوموں خصوصاً یونانیوں اور رومیوں کے اثرات سے بہت زیادہ متاثر ہو چکے تھے اور یونانی فلسفہ کی راہ سے آیا ہوا شرک ان کے عقیدوں میں اچھی طرح گھر کر چکا تھا چنانچہ خود حضورؐ کو واسطہ بنا کر ان قوموں کو یوں مخاطب کیا گیا ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ (ایضاً)	آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق کا غلو نہ کرو، اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی گمراہی میں پڑ چکے ہیں، اور بہتوں کو گمراہی میں ڈال چکے ہیں اور وہ لوگ راہ راست سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

یہ دین کی باتوں میں خواہ مخواہ غلو کرنا، اور اللہ نے جو حدود قائم کی ہیں ان سے

خواہ مخواہ تجاوز کرنا عین گمراہی کے راستہ پر جا پڑنا ہے۔ اور یہود اور نصرانیوں دونوں نے یہ غلو کیا اور مشرکانہ بلکہ صریح مشرکانہ عقیدے بجز ہم گھڑ کر دینے والی قوموں ہی سے لئے تھے۔ یہود نے زیادہ تر یونانیوں سے۔ اور نصرانیوں نے زیادہ تر رومیوں سے۔

کافروں سے دوستی و موالات اس وقت تک گویا ان کے ضمیر میں داخل ہو چکی تھی، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

تریٰ کثیرًا منھم یتولون الذین کفروا (المائدہ ع ۱۱)

آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کر رہے ہیں۔

یہود کو مسلمانوں سے اس درجہ خلش بڑھ گئی تھی کہ ان پر مشرکوں کو ترجیح دینے لگے تھے۔

الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یؤمنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدیٰ من الذین آمنوا سبیلاً (النساء ع ۸)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا حصہ ملا ہے وہ بت اور شیطان کو مان رہے ہیں، اور کافروں کی بابت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے زیادہ صحیح راستہ پر تو یہی لوگ ہیں۔

یہود کو عداوت اسلام اور مسلمانوں سے اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ قرآن مجید کو آخر اعلان یہ کرنا پڑا کہ اسلام دشمنی کے لحاظ سے تو مشرکین عرب اور یہود ایک سطح پر ہیں

ولتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا (المائدہ ع ۱۰)

آپ پائیں گے کہ مسلمانوں سے دشمنی رکھنے میں تمام لوگوں سے بڑھ کر یہود اور مشرکین ہی ہیں

بعض وعدہ و شتام میں بے ادبی درجہ حد سے گزر گئے تھے کہ معاشرہ کے عام آداب تہذیب کی بھی پروا انھیں نہیں رہ گئی تھی۔ اور جب آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو بدتمیزی کے کلمات بے تکلف زبان پر لے آتے۔ قرآن مجید نے اس خاص جزئیہ کی بھی نشان دہی پوری طرح کر دی۔

ویقولون سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع وراعنا لیا بألسنتھم وطعنا فی الدین ولو انھم قالوا سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا لکان خیرا لھم (النساء)

اور یہ لوگ کہتے ہیں سمعنا وعصینا اور اسمع غیر مسمع کہتے ہیں اپنی زبانوں کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر یہ سمعنا و اطعنا کہتے اور اسمع اور انظرنا

اور انھیں میں بعض ایسے شریف بھی تھے جو آپس میں مل کر اور مشورہ کر کے بھی یہ سازش کرتے رہتے کہ صبح کے وقت تم بھی مسلمانوں کے ہم زبان ہو کر اسلام کا اقرار کر لیا کرو اور پھر اس کے بعد انکار کر دیا کرو۔ اس سے مسلمان یہ سمجھنے لگیں گے کہ آخر کوئی تو خرابی اس دین میں ایسی ہے کہ لوگ قبول کرتے ہیں۔ اور پھر بعد غور و تامل کے ترک کر دیتے ہیں۔ اور عجب نہیں کہ اس طرح بے دل اور بدگمان ہو کر خود بھی پھر جائیں۔

وقالت طائفۃ من اھل الکتاب آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا وجہ النھار واکفروا آخرہ لعلھم یرجعون (آل عمران ع ۸)

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان لے آؤ شروع دن میں اس کتاب پر جو مسلمانوں پر نازل ہوا ہے اور انکار کر بیٹھو آخر دن میں عجب نہیں کہ وہ بھی پھر جائیں

ان کے رشک و حسد کے سلسلہ میں جو انھیں اسرائیلی ہونے کی حیثیت سے ایک اسمٰعیلی کے مرتبۂ نبوت پر تھا۔ انھیں کو مخاطب کر کے یوں ارشاد ہوا ہے۔

ان یوتیٰ احد مثل ما اوتیتم او یحاجوکم عند ربکم قل ان الفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم۔ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔ (آل عمران ع ۸)

یہ باتیں تم اس لئے کر رہے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی۔ یا وہ اور لوگ تم پر غالب آجائیں تمہارے پروردگار کے سامنے اسی کتاب سے حجت پکڑ کر۔ اور اللہ بڑی وسعت والا (جس کا فضل کسی ایک نسل کے ساتھ محدود نہیں) اور بڑا علم والا (ہر قوم کی صلاحیتوں سے واقف) جس کو بھی چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

معاصر اہل کتاب کو یہ بھی صاف صاف جتلا دیا گیا کہ یہ نئے رسول جو سلسلۂ انبیاء میں ایک بڑے لمبے وقفہ کے بعد بھیجے جا رہے ہیں۔ تو ان کی بعثت سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ معاصر اہل کتاب پر حجت قائم ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

یا اہل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشیر ولا نذیر فقد جاءکم بشیر ونذیر (المائدہ ع ۳)

اے اہل کتاب تمہارے پاس یہ رسول آپہنچے جو تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت پر کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا کہ کہیں تم نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا۔ سو تمہارے پاس تو بشیر و نذیر آچکا

اور پھر یہ اس لئے بھی آئے ہیں کہ تم جو اپنی طرف سے اپنی آسمانی کتاب میں کتر بیونت کرتے رہتے ہو۔ وہ چوری سب پر ظاہر کر دیں اور یوں ان کی صداقت و حقانیت قطعی اور مسلم ہو۔

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب و یعفو عن کثیر قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین	اے اہل کتاب ہمارے یہ رسول تمہارے پاس آ پہنچے ہیں، کتاب میں سے جو کچھ تم چھپاتے رہتے ہو اس کا بہت سا حصہ تم سے کھول کر بیان کر دیتے ہیں، اور بہت سے امور کو درگزر کر دیتے ہیں بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آ گئی اور ایک واضح کتاب۔
(المائدہ ع ۳)	

اور نصرانیوں سے تو قرآن مجید نے ایک بار رسول اللہ کو مباہلہ کا اذن بھی دے دیا ہے حقیقت مسیح کے وضوح کے بعد ارشاد ہوا ہے۔

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم وانفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین	پھر جو کوئی آپ سے اس معاملہ میں حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کو علم صحیح پہنچ چکا ہو تو آپ کہہ دیجئے اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی، اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔
(آل عمران ع ۷)	

تاریخ میں آتا ہے کہ یہ وفد نجران کے پادریوں کا تھا جو ۹ ھ میں مدینہ میں خاطر خدمت ہوا تھا۔ ان سے ایک معاہدہ صلح ہو گیا اور مباہلہ کی ہمت مسیحیوں نے نہ کی۔

بہ حیثیت مجموعی۔ اس وقت کے نصرانیوں بخصوصاً ان کے روحانی پیشواؤں

کا رویہ اسلام اور شارع اسلامؐ سے متعلق بڑا ہمدردانہ اور دینی خشوع وخضوع لیے ہوئے تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ولتجدن اقربهم مودة للذين آمنوا الذين قالوا انا نصارىٰ ذلك بان منهم قسيسين ورهبانا وانهم لا يستكبرون واذا سمعوا ما انزل الى الرسول ترىٰ اعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق يقولون ربنا آمنا فاكتبنا مع الشاهدين

(المائدہ ع ۱۱)

مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پائے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس سبب سے کہ ان میں بہت سے عالم اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں۔ اور اس سبب سے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔ اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا اور یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے۔ تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ لکھ لیجیے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ سچے نصرانی بعد کو اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔ معاصر اہل کتاب کے ان اوصاف کے بیان سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ جتنے یہودی سب کے سب ایسے ہی تھے قرآن مجید ہی کی شہادت ہے کہ بعض ان میں سے اہل [illegible] اعتدال پر قائم۔

منهم امة مقتصدة

(المائدہ ع ۹)

ان میں سے ایک جماعت راہ راست پہ چلنے والی بھی ہے۔

اور ایک اور جگہ ذکر یوں فرمایا گیا۔

لیسوا سواء من اهل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون (آل عمران ع ۱۲)

یہ سب یکساں نہیں انہیں اہل کتاب میں ایک جماعت وہ بھی ہو جو قائم ہو۔ یہ اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں۔ اور نماز بھی پڑھتے ہیں

اور غیر یہ لوگ تو آخر کار دین اسلام میں شامل ہی ہو گئے تھے۔ لیکن جو لوگ بدستور اپنے دین یہودیت پر تھے۔ ان کی بھی دو قسمیں دیانت داری کے لحاظ سے تھیں۔

ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک ومنھم من ان تامنہ بدینار لا یؤدہ الیک الا ما دمت علیہ قائما ذلک بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون۔ (آل عمران ع ۸)

اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال بھی امانت رکھدو تو وہ تمہیں ادا کر دے۔ اور انہیں میں سے ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھدو۔ تو وہ بھی تم کو ادا نہ کریں تا وقتیکہ تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو اور یہ اس لئے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر غیر اہل کتاب کے باب میں کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور سے جانتے بھی ہیں

یہ تھا بے کم وکاست حال ان یہود اور کل اہل کتاب کا جن سے آنحضرت صلعم کو براہ راست سابقہ پڑا تھا۔ تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ ان میں کتنی کم صلاحیت قبول حق کی باقی رہ گئی تھی۔ اور ان کے انبوہ عظیم میں کتنے کم ایسے رہ گئے تھے جن سے کسی قدر توقع اصلاح کی قائم کی جا سکتی تھی۔

(ج)

منافقین

قرآن کی مکی سورتوں میں کثرت سے ذکر مشرکین کا آتا ہے۔ جو پیغمبر اسلام کے پیام اور پیامبری کے کھلے ہوئے منکر تھے۔ اور مکہ میں قرآن کے براہ راست مخاطب تھے۔ مدنی سورتوں میں اس کے برعکس ذکر یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ۔ اور ان سے زیادہ کثرت سے ایسے طبقہ کے لوگوں کا آتا ہے۔ جو رسولؐ و رسالت کا کھلا ہوا منکر نہ تھا بلکہ بظاہر معتقد و مطیع تھا۔ لیکن زبانی اقرار پر قلبی انکار غالب تھا۔ اپنے آپ کو شامل گروہ مومنین میں کرانا چاہتا تھا۔ لیکن عقائد مشرکین یا یہود کے رکھتا تھا اور در پردہ سازشیں اسلام اور شارع اسلام کے خلاف کرتا رہتا تھا۔ قرآن کی اصطلاح میں یہ لوگ منافقین کہلاتے ہیں اور قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کے مخاطبین کے چار طبقوں میں سے ایک مستقل طبقہ ان لوگوں کا تھا۔

قرآن مجید نے اکثر تو انہیں براہ راست منافقین ہی کہہ کر یاد کیا ہے اور معلوم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ میں عورتیں بھی خاصی تعداد میں شامل تھیں اس لئے کہ قرآن مجید نے منافقات کا لفظ لاکر ان کی تصریح بھی کم سے کم چار مقامات پر تو کی ہی ہے،

اور کہیں کہیں بجائے اسم کے۔ اس طبقہ کے لئے صیغہ فعل سے جزوی ہے۔ مثلاً
الذین نافقوا اور کہیں اس طبقہ کے لئے الذین فی قلوبھم مرض لایا گیا
ہے۔ یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کے اندر روگ ہے۔ اس طرح کل ملا کر اس طبقہ کا ذکر
قرآن مجید کے مدنی حصہ میں خاصی کثرت سے ملے گا۔

ان کے ذکر کا آغاز کہنا چاہیئے کہ قرآن مجید کے آغاز سے ہو جاتا ہے۔ سورۃ البقرۃ
کا دوسرا ہی رکوع ہے، کہ پہلے رکوع میں مومنوں اور منکروں دونوں کے تذکرے
کے بعد معاً یہ بیان سامنے آجاتا ہے۔

ومن الناس من یقول آمنا	کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زبان سے کہتے ہیں
باللہ وبالیوم الاخر وما ھم	کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ اور روز جزا پر حالانکہ
بمومنین۔ (البقرۃ ع ۲)	وہ اصلاً صاحب ایمان نہیں۔

ان کے عمق قلب میں ایمان کا ذرا بھی گزر نہ تھا۔ ان کا کاروبار تمام تر دیدہ و دانستہ
دھوکے بازی اور فریب دہی کا تھا۔

یخادعون اللہ والذین آمنوا	یہ دھوکا دے رہے ہیں (اپنے خیال میں) اللہ کو اور
وما یخدعون الا انفسھم وما	ایمان والوں کو، حالانکہ کوئی بھی ان سے دھوکا
یشعرون۔ (ایضاً)	نہیں کھا رہا ہے، سوا ان کے اپنے نفس کے۔
	اور یہ اس کا بھی ادراک نہیں رکھتے۔

ان کے قلب کے اندر حسد و نفاق کا مرض تھا۔ اسلام کی ترقی دیکھ دیکھ انھیں
اور جلن پیدا ہوتی تھی۔ اور اس مرض کی شدت اور بھڑکتی رہتی تھی۔ انھیں تکذیب
رسول کے علاوہ اس نفاق کی خصوصی سزا کی خبر دے دی گئی۔

فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون (ایضاً)

ان کے دلوں کے اندر بیماری ہے تو اللہ نے ان کے مرض کو اور ترقی دے دی۔ انھیں عذاب دردناک ہوتا ہے اپنے اس جھوٹ پر۔

ان کی اس منافقانہ زندگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ زمین پر بگاڑ پھیلے اور جب انھیں ان کے اس رویہ پر تنبیہ کی جاتی تھی۔ تو الٹے اس کی تردید و تکذیب کرتے اور اپنے کو پاک صاف ظاہر کرتے۔

واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون (ایضاً)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر بگاڑ مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں واہ۔ ہم اور بگاڑ پیدا کرنے والے ہیں۔ خوب سن لو کہ مفسد یہی لوگ ہیں۔ اور یہ اس کی کبھی خبر نہیں رکھتے

پھر آگے ان کے اس رخ کا ذکر ہے کہ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں اور جب شیطان صفت معاندین اسلام کے ساتھ مل بیٹھتے ہیں تو ان کی سی کہنے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں کو بنا رہے تھے۔ قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ بیچارے کسی کو کیا بنا سکیں گے۔ الٹے خود ہی بن رہے ہیں اور اپنے عصیان و طغیان کے دلدل میں اور پھنستے ہی جا رہے ہیں! اور ان کو جب عام مومنین کی طرح قبول اسلام کی دعوت دی جاتی ہے۔ تو اکڑ کر اور اترا کر بولتے ہیں کہ کیا ہم بھی ان لوگوں کی طرح کچھ سادہ لوح ہیں! ــــ اس کے بعد قرآن نے ان کی تہ بہ تہ گمراہیوں اور ریاکاریوں کی دو دو تمثیلیں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اور ان کے انجام بخیر ہونے کے بجائے ان کے انجام بدتر ہونے کی خبر دی ہے۔

ان کی ایک عادت یہ تھی کہ بے تحاشہ کلمے کفر و انکار کے بک جانے تھے اور جب گرفت ہوتی تو جھٹ مکر جاتے۔ حالانکہ اس کے بعد تو وہ ظاہری اسلام سے بھی نکل جاتے

یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم وھموا بما لم ینالوا (التوبہ ع ۱۰)

یہ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی تھی۔ حالانکہ انھوں نے یقیناً کفر کی بات کہی تھی۔ اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور انھوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی۔

اس آخری ٹکڑے وھموا بما لم ینالوا سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص مقصد ان لوگوں کے پیش نظر تھا۔ جو حاصل نہ ہو سکا۔ اور چونکہ آیت ایک غزوہ کے سیاق میں ہے۔ اس لئے عجب نہیں کہ ان آستین کے سانپوں کا مقصد لشکر اسلام کے اندر پھوٹ ڈالنا اور رنجشیں پیدا کر دینا ہو۔ جیسا کہ روایات سے بھی تصدیق ہوتی ہے یہ مسلمانوں کے سامنے آ کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر انھیں اپنے سے راضی کر لینا اور اپنے سے پرچا لینا چاہتے تھے۔ اور چونکہ مسلمانوں سے ملے جلے اور بظاہر انھیں کے گروہ میں شامل رہا کرتے۔ اس لئے اس کوشش میں کامیابی ان کے لئے کچھ دشوار بھی نہ تھی۔ حالانکہ اگر صداقت و دیانت ذرا بھی ہوتی تو کوشش اللہ اور اس کے رسول کی رضاجوئی کی کرتے رہتے۔ ارشاد ہوا ہے۔

یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ (التوبہ ع ۸)

یہ لوگ تم مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم کو پرچا لیں۔ حالانکہ اللہ اور اسکا رسول ہی اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

جھوٹی قسموں میں یہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن زمان وحی بھی برابر ان کی نقاب کشائی کرتی رہتی۔

یحلفون باللہ انھم لمنکم وما ھم منکم ولکنھم قوما یفرقون (التوبہ ع ۷)	یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہیں میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ سچ یہ کہ یہ لوگ بزدلے ہیں۔

صدق دل سے رسول پر ایمان لانا، الگ رہا۔ یہ لوگ رسول کی بدگوئی کرتے رہتے اور طرح طرح آپ کی اذیت قلب کے باعث بنتے۔

ومنھم الذین یؤذون النبی ویقولون ھو اذن۔ (التوبہ ع ۸)	انھیں میں وہ لوگ بھی ہیں۔ جو نبی کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آپ کان کے کچے ہیں۔

یہ جھوٹ بولنے، تمسخر کرنے اور بات بنا لینے میں مشاق اور بیباک ہونے کے باوجود قرآن جو ان کی پردہ دری کرتا رہتا۔ اس سے ڈرتے رہتے۔ اور اس کا کچھ بھی علاج ان کے بس میں نہ تھا۔ آسمانی ریکارڈ میں شہادت موجود ہے کہ

یحذر المنافقون ان تنزل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم قل استھزءوا۔ ان اللہ مخرج ما تحذرون (التوبہ ع ۸)	یہ لوگ اس سے اندیشہ کرتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کو ان منافقین کے مافی الضمیر پر مطلع کردے آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزاء کرتے رہو۔ بیشک اللہ اس چیز کو ظاہر کر کے رہیگا جس سے تم اندیشہ کرتے تھے۔

جب گرفت ہوتی تو بڑا حیلہ اپنے بچاؤ کا ان کے پاس یہ تھا کہ کہیں واقعی یہ عقائد و خیالات ہمارے تھوڑے ہی ہیں۔ یہ باتیں تو ہم محض خوش طبعی کے طور پر کہہ دیتے ہیں۔

ولئن سالتہم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب (ایضاً)

اور اگر آپ ان سے پوچھئے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو ہم محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے

قرآن نے اس عجیب و غریب عذر گناہ کا جواب دیا، وہ بھی سننے کے قابل ہے۔

قل اباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزءون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانھم کانوا مجرمین۔

(التوبہ ع ۸)

آپ ان سے کہئے کیا تمہارا استہزا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تھا؟ اب کوئی عذر حیلہ مت کرو، تم تو اپنے کو مومن کہلانے کے بعد کفر کرنے لگے تم میں سے ایک گروہ کو ہم چھوڑ بھی دیں تو ایک گروہ کو ہم سزا دیں ہی گے۔ اس لئے کہ وہ لوگ مجرم تھے۔

ان کی منافقانہ کارروائیوں کا ذکر اکثر جنگ و غزوات کے سلسلہ میں آیا ہے۔ (جیسا کہ سورۃ التوبہ میں خصوصاً آیا ہے) اس سے اتنا تو بہر حال ظاہر ہوتا ہے کہ فوج میں بد دلی پھیلانا، فوج کے اندر اختلافات و تفرقے پیدا کر دینا، عین وقت پر ہتھیار رکھ دینا، دشمن سے ساز باز کر لینا، اپنے راز ان کے راز داروں پر منطبق کر دینا اور اسی قبیل کے وہ جرائم جو فوجی قانون اور میدان جنگ کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے مرتکب تو یہ ضرور ہی ہوتے ہوں گے۔ لیکن قرآن مجید نے ان پر فرد جرم جو لگائی

ہو۔ وہ اس سے زیادہ وسعت و عموم رکھتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ ان کا پھیلایا ہوا ہنگامہ ساری ہی اجتماعی زندگی تک محیط ہو چکا تھا۔

المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض يأمرون بالمنكر وينهون عن المعروف ويقبضون ايديهم (التوبہ ع ۹)	یہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک سے ہیں تعلیم دیتے ہیں بری باتوں کی اور باز رکھتے ہیں اچھی باتوں سے اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔

یقبضون ایدیھم سے صاف اشارہ ان کی ترویج بخل کی طرف نکلتا ہے۔ اور اس کے اوپر ذکر ان کی عام بداخلاقی و بدکرداری کا ہے نتیجہ جو نکلتا تھا۔ وہ بھی قرآن نے ظاہر کر دیا ہے۔

نسوا الله فنسيهم ان المنافقين هم الفاسقون (ایضاً)	یہ اللہ کو بھلا بیٹھے۔ تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ فاسق لوگ یہی منافق ہی تو ہیں۔

اس صورت حال کا ایک قدرتی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اس طبقہ کا ذکر بار بار کافروں اور مشرکوں کے متصلاً ہو کر آیا ہے۔ اور ان کے انجام کا شریک ان کو بھی بتایا گیا ہے مثلاً

وعد الله المنافقين والمنافقات والكفار نار جهنم خالدين فيها هي حسبهم ولعنهم الله ولهم عذاب مقيم (ایضاً)	اللہ نے عہد کر رکھا ہے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لئے کافی ہے اور اللہ ان کو اپنی رحمت سے دور رکھے گا اور ان کا عذاب دائمی ہے۔

اسی طرح پیمبر کو ایک جگہ جہاں ایک ہدایت کی ہے وہاں بھی منافقوں کا عطف

کافروں پر سے۔

ولا تطع الکافرین والمنافقین ودع اذاھم (الاحزاب ع ۶) — اے پیغمبر کافروں اور منافقوں کا کہانہ کیجئے اور ان کی طرف سے جو اذیت پہونچے اس پر التفات نہ کیجئے۔

ودع اذاھم کا تعلق جتنا کافروں سے ہے اتنا ہی منافقوں سے بھی ہے۔ گویا یہ ثابت ہوگیا کہ جتنی اذیت آپ کو منافقوں یعنی ان نام کے مسلمانوں کی طرف سے پہونچتی تھی۔ وہ اس سے کچھ کم نہ تھی۔ جو کھلے ہوئے منکروں کی طرف سے پہونچتا رہتا تھی۔

ایک جگہ ذکر ہو کہ اللہ کے ساتھ بدگمانی رکھنے کی سزا ان کو اور ان کو دونوں کو ملے گی۔ وہاں بھی منافقوں کو مشرکوں کے ساتھ عطف کرکے بیان کیا ہے۔

ویعذب المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات الظانین باللہ ظن السوء (الفتح ع ۱) — تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں۔

اور تقریباً یہی الفاظ ایک جگہ اور دہرائے ہوئے ملتے ہیں۔

لیعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات (الاحزاب ع ۹) — انجام یہ ہوا کہ اللہ عذاب دے گا منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو۔

ان منافقین کا اصلی جرم تو ان کا یہی نفاق تھا۔ یعنی دل میں کچھ زبان پر

بلکہ دل سے خالص انکار اور زبان پر محض اقرار۔ قرآن مجید نے ان کی فردِ جرم میں نمبر اول پر اسی کو رکھا ہے۔

یقولون بالسنتھم مالیس فی قلوبھم (الفتح ع ۲)	اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں بالکل نہیں ہیں۔

لیکن اس بنیادی اور اعتقادی جرم کے علاوہ ان کے عملی اور اجتماعی جرائم بھی کچھ کم قابلِ مواخذہ و تعزیر نہ تھے۔ مدینہ میں رہ کر عفیف و پاکدامن مسلمان عورتوں کو تنگ کرنا، مسلمان باشندگانِ شہر کی بدخواہی اور دشمنی میں لگے رہنا۔ ان پر آج کل کی اصطلاح میں سرد جنگ جاری رکھنا یعنی شہر میں دہشت انگیز افواہیں پھیلاتے رہنا۔ ان لوگوں کا مستقل شغل بن گیا تھا۔ قرآن مجید نے اس سیاق میں ان کا ذکر کر کے ان کے لئے سزائیں بھی انتہائی اور عبرت انگیز تجویز کر دی ہیں۔

لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلا ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا (الاحزاب ع ۸)	اگر نہ باز آئیں یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں افواہیں اڑاتے رہتے ہیں۔ تو ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کر دیں گے پھر یہ لوگ شہر میں آپ کے پاس ٹھہرنے بھی نہ پائیں گے مگر بہت ہی کم اور وہ بھی پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں گے انہیں پکڑا اور مارا جائے گا ٹکڑے اڑا دئیے۔

ان کی اخلاقی پلیدی اور روحانی گندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ آخرت میں ان کا انجام سب سے بدتر قرار پایا کہ ایک تو قبول اسلام سے انکار اور مسلک کفر و شرک

باوجود۔ اور اس پر اضافہ اس ریا و مکر کا کہ ہم تو مسلم و مطیع ہیں ارشاد ہوا ہے۔

اِنَّ المنافقین فی الدرک	بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں
الاسفل من النار ولن تجد لھم	ہوں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ
نصیرا (النساء ع ۲۱)	پائے گا۔

اور ان کے جرائم کے پاداش میں ان کا انجام اُخروی یاد دلا کر دنیا میں بھی ان کے ساتھ معاملہ سختی کا رکھا گیا ہے اور انھیں کافروں ہی کی صف میں رکھ کر پیغمبر کو حکم ان کے خلاف بھی جہاد کا ہوا ہے۔

یا ایھا النبی جاھد الکفار	اے نبی جہاد کافروں اور منافقوں سے کیجئے
والمنافقین واغلظ علیھم وماواھم	اور ان پر سختی کیجئے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے
جھنم وبئس المصیر (التحریم ع ۲)	اور وہ بڑی بُری جگہ ہے۔

یہ آیت ابھی سورۂ تحریم کی تلاوت ہوئی۔ اور بعینہٖ یہی آیت سورۂ توبہ رکوع ۱۰ میں بھی وارد ہو چکی ہے۔ البتہ یہ خیال رہے کہ یہاں لفظ جہاد اپنے لغوی معنی میں یعنی محنت و کوشش کے مرادف ہو کر آیا ہے۔ جہاد فقہی کے معنی میں نہیں، جو بہت بعد کی اصطلاح ہے۔ اور قرآن مجید میں اس کے لیے لفظ قتال ہے۔ اور لفظ جہاد میں حضور صلعم کے لیے پوری گنجائش باقی رہی کہ آپ اپنے اجتہاد کی رو سے جیسا مناسب سمجھیں جہادی معاملہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ ان کے اور ان کے حسب حال رکھیں۔

مکہ میں کھلا ہوا کفر و شرک تھا۔ اس مرض نفاق کا مقابلہ تو آنحضرت صلعم کو مدینہ ہی میں آکر کرنا پڑا۔ اکثر منافق یہیں آکر بنے۔ ان میں وہ چالاک اور سخن ساز

طبقہ بھی تھا۔ جو حضور کی نظر سے حضور کے کمال فراست و دانائی کے باوجود اپنے کو مخفی رکھنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ قرآن مجید نے صراحت کر دی ہے۔

ومن اهل المدينة مردوا	اور مدینہ والوں میں سے نفاق کی حد کمال
على النفاق لا تعلمهم نحن	پر پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے
نعلمهم (التوبہ ع ۱۳)	ہم اُن کو جانتے ہیں۔

اور اس کے مابعد اُن کے انجام دنیوی و اُخروی سے بھی خبر دے دی گئی

سنعذبهم مرتين ثم يردون	ہم اُن کو دو دوبار سزائیں دیں گے اور
الى عذاب عظيم (ایضاً)	انہیں بھیجیں گے عذاب عظیم کی طرف۔

یہ منافقین شہر مدینہ کے علاوہ دیہات و حوالیٔ مدینہ میں بھی آباد تھے۔

وممن حولكم من الاعراب	اور یہ جو تمہارے گرد و پیش دیہاتی ہیں ان
منافقون (ایضاً)	میں بھی کچھ منافق ہیں

اور دیہاتیوں کے مزاج میں یوں بھی سختی زیادہ ہوتی ہے۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ یہ دیہاتی کفر و نفاق دونوں میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔

الاعراب اشد كفرا ونفاقا	یہ دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں بہت ہی سخت
(التوبہ ع ۱۲)	ہیں۔

غریب و تہی دست مسلمانوں پر یہ تنگ دل مسخرے منافقین برابر طنز و تمسخر کرتے رہتے تھے، ان مفلسوں کی طرف سے جواب خود حق تعالیٰ نے دیا۔ ارشاد ہوتا ہے

فيسخرون منهم سخر الله	یہ ان (مفلس مسلمانوں) سے تمسخر کرتے ہیں اللہ
منهم ولهم عذاب اليم	ان کے تمسخر کو اُن پر الٹ دے گا۔ اور اُن کے

(التوبہ ع ۱۰) لیے عذاب دردناک رکھا ہوا ہے۔

ان میں کے بعض بدبخت ایسے بھی تھے۔ جن پر یہ نفاق کی لعنت بطور ان کی سزا پایا داش عمل کے مسلط کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید نے ان کی تفصیلات پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

ومنھم من عاھد اللہ لئن آتانا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین فلما آتاھم من فضلہ بخلوا بہ وتولوا وھم معرضون فاعقبھم نفاقا فی قلوبھم الی یوم یلقونہ بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ وبما کانوا یکذبون۔

(التوبہ ع ۱۰)

ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جنھوں نے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو عطا کر دیا تو ہم خوب خیر خیرات کریں گے۔ اور خوب نیک نیک کام کریں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کر دیا تو لگے وہ اس میں بخل کرنے اور روگردانی کرنے، اور وہ تھے ہی بات سے پھر جانے والے سو اللہ نے اس کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ جو اللہ کے یہاں جانے کے دن تک ان میں رہے گا۔ اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی۔ اور اس لئے کہ جھوٹ بولتے رہتے تھے

انھیں بڑا ناز اپنی چالاکی اور رازداری پر تھا۔ سمجھتے تھے کہ ان کے راز چھپے کے چھپے رہ جائیں گے۔ قرآن مجید نے بار بار ان کے اس زعم باطل کو توڑا ہے اور انھیں یاد دلایا ہے کہ ان کا سابقہ تو خدائے دانندہ اسرار و خفایا سے ہے۔

الم یعلموا ان اللہ یعلم سرھم

کیا انھیں اس کی خبر نہیں ہو کہ اللہ کو ان کے

ونجواهم وان الله علام الغيوب (التوبة)

دل کا راز اور سرگوشی ان کی سب معلوم ہے اور اللہ غیب کی ساری باتوں کو جانتا ہے۔

ان کی ریاکاری و منافقت کا یہ کمال تھا کہ انھوں نے اپنی ایک مسجد کھڑی کر لی تھی۔ بظاہر تو استراحت و ذکر الٰہی کے لئے لیکن دل میں مقصد یہ کہ اس میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کی جائیں۔ اور اسلام و امت اسلامی کی بربادی کے منصوبے تیار کیے جائیں۔ قرآن مجید نے اس کا بھی پول کھول دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف حکم دیا کہ آپ ہرگز اس کی طرف رخ نہ کریں۔

والذين اتخذوا مسجدا ضرارا وكفرا وتفريقا بين المؤمنين وإرصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل وليحلفن إن أردنا إلا الحسنى والله يشهد إنهم لكاذبون لا تقم فيه أبدا (التوبة ع ۱۳)

اور کچھ وہ ہیں جنھوں نے مسجد اس غرض سے بنا کھڑی کی ہے کہ اس کے ذریعے ضرر پہونچائیں۔ اور کفر پھیلائیں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ اور اس شخص کو اس میں جگہ دیں جو اس کے قبل بھی اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہو۔ اور یہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم تو بجز بھلائی اور کوئی نیت ہی نہیں رکھتے۔ اللہ گواہ ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے بھی نہ ہوں۔

اور یہ قرآن کے لئے ایک معمولی سی بات تھی۔ کہ ایک بار جب ایک جہاد گرمی کے موسم میں پڑا تو یہ لوگ سچے مسلمانوں کو مشورہ دینے لگے کہ اس سخت موسم میں کہاں نکلو گے ـــــ گویا جہاد بھی ان کے خیال میں کوئی سیر و تفریح کی چیز ہے۔

کے قسم کی تھی۔ قرآن نے اُن کا قول نقل کر کے جواب بھی کتنا سخت دیا ہے۔

قالوا لا تنفروا فی الحر	کہنے لگے کہ تم لوگ گرمی میں نہ نکلو۔ آپ کہہ دیجئے
قل نار جہنم اشد حرا لو کانوا	کہ جہنم کی آگ اس سے کہیں بڑھ کر گرم ہے۔
یفقھون فلیضحکوا قلیلا	کاش یہ اتنا سمجھتے! یہ لوگ تھوڑے دن ہنس
ولیبکوا کثیرا جزاء بما کانوا	لیں۔ اور بہت دن روتے رہیں اپنے کرتوت
یکسبون (التوبہ ع ۱۱)	کے بدلے۔

پیغمبر کی سفارش اور دعائے مغفرت جس درجہ موثر اور زوردار ہوتی ہے۔ مسلمان کو معلوم ہے۔ اور قرآن مجید خود اس کی اہمیت بار بار جتا چکا ہے۔ لیکن منافقین کے قلب چونکہ شمۂ ایمان بھی نہیں رکھتے۔ اس لئے قرآن مجید نے براہ راست حضور کو مخاطب کر کے تصریح کر دی۔ کہ ایسوں کے حق میں آپ تک کی دعائے مغفرت کام نہ دیگی خواہ آپ کتنی ہی کرتے رہیں۔

استغفر لھم اولا تستغفر لھم	آپ اُن کے حق میں استغفار کریں۔ یا اُن کے
ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن	حق میں نہ کریں۔ آپ اُن کے حق میں استغفار اگر
یغفر اللہ لھم	ستر بار بھی کریں۔ تو بھی اللہ اُن کی مغفرت نہ
(التوبہ ع ۱۰)	کرے گا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے اپنی نہایت رحمدلی کی بنا پر اس آیت کے باوجود ایک رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور لفظ ستر کے عدد سے فائدہ اٹھا کر یہ کہا کہ میں استغفار ستر سے زیادہ بار کر دوں گا۔ (حالانکہ آپ جیسے فصیح اللسان سے بڑھ کر کون اس نکتہ سے واقف ہو سکتا تھا۔ کہ محاورۂ زبان میں ستر سے مراد کثرت

استغفار سے ان کو کوئی معین مدد نہ ملے گی اب یہ حکم قطعی طور پر نازل ہو گیا کہ ایسوں کی نماز جنازہ نہ پڑھیے اور نہ اُن کی قبر پر کھڑے ہی ہوجیے۔

ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ (التوبہ ع ۱۱)

اور ان میں کوئی مر جائے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوجیے۔

ان بیچاروں کو آیات احکام سے رہتی۔ اور جہاد و قتال کے احکام سن کر تو اُن کی جان ہی سوکھ جاتی۔ قرآن مجید نے اس منظر کی یوں عکس کشی کی ہے۔

واذا انزلت سورۃ محکمۃ وذکر فیھا القتال رأیت الذین فی قلوبھم مرض ینظرون الیک نظر المغشی علیه من الموت فاولی لھم (محمد ع ۳)

جب کوئی سورت صاف صاف نازل ہوتی اور اس میں ذکر جہاد کا بھی ہوتا ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے آپ اُن کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ جیسے کسی پر بیہوشی طاری ہو گئی ہو سو عنقریب ان کی کمبختی آنے والی ہے۔

زیادہ پریشان اس وقت ہوتے تھے جب اُن کے اسرار فاش ہو جاتے تھے اور قرآن مجید خود یا رسول اللہ ہی کی زبان سے انھیں اس قسم کی آیتیں سنوا دیتا تھا۔

واللہ یعلم اسرارھم (محمد)

اللہ خوب جانتا ہے اُن کی خفیہ باتوں کو۔

اور تنہائی کی کیفیت اور بدحواسی ان پر اس وقت طاری ہوتی جب رسول اللہ ہی کی زبان سے انھیں اس قسم کے تنبیہی پروانے وصول ہوتے۔

ام حسب الذین فی قلوبھم مرض ان لن یخرج اللہ اضغانھم

جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کبھی اُن کی دلی عداوتوں کو ظاہر

ولو نشاء لاريناكهم فلعرفتهم بسيماهم ولتعرفنهم في لحن القول۔ (محمد ع ۴)

ذکر ے گا اور اگر ہماری مشیت ہو تی تو ہم آپ کو ان کا پورا پتہ بھی بتا دیتے اور آپ ان کو ان کے چہرے سے پہچان لیتے اور آپ ان کو طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے۔

اپنی مادی دنیوی زندگی میں یہ کسی سے دبے پچکے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ ان کی معاشرت معلوم ہوتا ہے۔ خاصی بلند و ممتاز تھی۔ اوران کے ظاہر میں ایک طرح کی کشش یا دلکشی بھی تھی۔ قرآن مجید کی شہادت ہے۔

واذا رایتھم تعجبک اجسامھم وان یقولوا تسمع لقولھم (المنافقون ع ۱)

آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں۔ اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی سننے لگیں۔

ان کی ظاہری خوشحالی اور خوش اقبالی بھی خاصی دھوکے میں ڈالنے والی تھی رسول اللہ کو خاص طور پر اس خطرے سے آگاہی دے دی گئی۔ اور حقیقت حال سے پردہ اٹھا دیا گیا۔

ولا تعجبک اموالھم واولادھم انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا وتزھق انفسھم وھم کافرون (التوبہ ع ۱۱)

ان کے مال اوران کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔ اللہ کو تو بس یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کے واسطے سے انھیں دنیا میں بھی مبتلائے عذاب رکھے۔ اوران کا دم بھی ایسی حالت میں نکلے کہ یہ کافر ہوں۔

ایک پوری سورۃ انھیں کے نام پر المنافقون پارہ ۲۸ میں موجود ہے۔ جس کی

ایک آیت چند منٹ قبل پیش ہو چکی ہے لیکن درحقیقت اس سورۃ میں پورا عکس اس طبقہ کی زندگی کا آگیا ہے۔ یہ لوگ رسول اللہ کے سامنے آکر اپنی اسلامیت بگھارتے اور اپنے ایمان و اطاعت کا ڈھنڈورا پیٹتے۔ جو تمام تر باطل ہوتا۔ ارشاد ہوا ہے

اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقون لکاذبون۔ (المنافقون ع ۱)	جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ بیشک آپ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین بیچ جھوٹے ہیں۔ ان کا حاصل عمران کی ساری کمائی ان کی جھوٹی قسمیں ہیں۔
اتخذوا ایمانھم جنۃ فصدوا عن سبیل اللہ انھم ساء ما کانوا یعملون (ایضاً)	ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے تو یہ لوگ اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں، بیشک بہت ہی برے ہیں ان کے اعمال جو ہو کر رہے ہیں۔

اسی سے ملتی ہوئی آیت سورۂ مجادلہ میں بھی آچکی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔

اتخذوا ایمانھم جنۃ فصدوا عن سبیل اللہ فلھم عذاب مھین (مجادلہ ع ۳)	ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں تو ان کے لئے عذاب ہے ذلت والا۔

اس آیت سے ذرا پہلے اس طبقہ کا تعارف اس کی یہود دوستی کی حیثیت سے کرا کے اس کا انجام یوں پیش کیا ہے:۔

الم تر الی الذین تولوا قوما	کیا آپ نے ایسے لوگوں پر نظر نہیں کی جنہوں نے ایسے (یعنی منافقین)

غضب اللہ علیہم ما ھم منکم ولا منھم ویحلفون علی الکذب وھم یعلمون. اعد اللہ لھم عذابا شدیدا انھم ساء ما کانوا یعملون (المجادلہ ع ۳)

جو ایسی قوم سے دوستی کئے ہوئے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہے یعنی قوم یہود سے، ایسے لوگ نہ تمہیں میں ہیں نہ انھیں میں جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور وہ جانتے بھی ہوتے ہیں اللہ نے ان کے لئے عذاب شدید تیار کر رکھا ہے۔ بیشک بہت ہی برے تھے جو اعمال وہ کیا کرتے ہیں۔

ان کی ظاہری خوشحالی اور خوش زبانی سے دھوکا کھانے پر ایک بار پھر تنبیہ کر دی ہے۔

لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون (المجادلہ)

ان کے مال اور ان کی اولاد انھیں اللہ سے ذرا نہ بچا سکیں گے یہ لوگ دوزخ والے ہیں یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اب پھر اسی سورت منافقون کی طرف آجائیے جس کے بیان کا سلسلہ چل رہا تھا۔ انھوں نے ایمان کا اظہار کیا، مگر مخفی کفر کو اپنے دل میں جگہ دے لی۔ اس کا وبال یہ پڑا کہ ان سب کے دلوں پر قبول حق کی طرف سے مہر لگ گئی اور سمجھ بوجھ کا گویا مادہ ہی ان سے چھن گیا۔

ذالک بانھم آمنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون (المنافقون ع ۱)

یہ سب اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ تو یہ سمجھتے بوجھتے نہیں۔

ان کے دل پتھر ہیں اور یہ طبیعت کے بڑے [illegible]۔ اس لئے کہیں سے

کوئی آواز بلند ہوئی۔ اور یہ اُسے اپنے ہی اوپر سمجھے۔

يحسبون كل صيحة عليهم (ایضاً) ہر غل پکار کو اپنے ہی اوپر خیال کرتے ہیں۔

انابت وخشیت کا گذر ان کے قلب میں کہاں۔ زعم وپندار میں مبتلا یہ رسولؐ کی خدمت میں اپنے استغفار کے لئے حاضر ہونے کے بجائے اور اوپر سے اکڑتے اکڑتے پھرتے ہیں۔

وإذا قيل لهم تعالوا يستغفر لكم رسول الله لووا رءوسهم ورأيتهم يصدون وهم مستكبرون (ایضاً)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کریں، تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں۔

یہ بھی صراحۃً بتا دیا گیا۔ جب کہ سورۂ توبہ کی ایک آیت کے ذیل میں پہلے بھی گذر چکا ہے، کہ رسول اللہ صلعم جیسے زبردست مستغفر کی دعائے مغفرت بھی ایسے شامت زدوں کے حق میں قبول نہ ہوگی۔

سواء عليهم أستغفرت لهم أم لم تستغفر لهم لن يغفر الله لهم (ایضاً)

ان کے حق میں سب برابر ہے، خواہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا آپ استغفار نہ کریں۔ اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہ کرے گا۔

عملی حالت ان کی یہ تھی کہ خود صاحب ثروت مسلمانوں کو ترغیب دیتے رہتے تھے، کہ رسول کے ساتھیوں پر کچھ خرچ نہ کرو۔ مالی امداد کی طرف سے مایوس ہو کر یہ بھیڑ خود ہی چھنٹ جائے گی۔ گویا رسولؐ دین حق کی تبلیغ کے لئے بندوں کی امداد کے تمام تر محتاج تھے۔ قرآن مجید نے ان کے اس حمق کی پردہ دریاں کی ہے

هم الذین یقولون لا تنفقوا	یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول خدا کے
علیٰ من عند رسول اللہ حتیٰ	گرد و پیش ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک
ینفضوا و للہ خزائن السماوات	کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے حالانکہ اللہ ہی
والارض ولکن المنافقین لا	کے ہیں سارے خزانے آسمانوں اور زمینوں کے
یفقھون (ایضاً)	البتہ منافقین اسے سمجھتے نہیں۔

اور پھر منافقین کے جو یہ دم دلاسے تھے کہ میدان جنگ سے واپسی کے بعد مسلمانوں کو تہس نہس کر ڈالیں گے۔ ان کی اس بدنیتی کا پردہ بھی قرآن نے یوں چاک کیا ہے۔

یقولون لئن رجعنا الی	یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ واپس گئے
المدینۃ لیخرجن الاعز منھا	تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال
الاذل۔ وللہ العزۃ ولرسولہ	دے گا۔ حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے
ولکن المنافقین لا یعلمون	رسول کی اور مومنین کی، بات منافقین نہیں جانتے
(ایضاً)	بوجھتے نہیں۔

سب سے بڑھ کر جامع واکمل اور ساتھ ہی عبرت انگیز مرقع اس طبقہ کا سورۃ الحدید میں نظر آتا ہے گو ذرا طویل ہے۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی زندگی میں آپ کے اس حاضر طبقہ کی ذہنیت کو پوری طرح سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے سیاق یوم حشر کا ہے۔ اب آگے سنیئے۔

یوم یقول المنافقون والمنافقات	جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے
للذین آمنوا انظرونا نقتبس	کہیں گے (جس وقت یہ جنت کو جا رہے ہوں گے

(د)

مومنین

چوتھا طبقہ آپ کے ان معاصرین مخاطبین کا ہے جنھوں نے آپ کے دعوئے نبوت کی تصدیق کی اور آپ کی زبان سے آپ کا پیام سن کر کلام الٰہی پر ایمان لائے۔ اصطلاح میں انھیں صحابۂ رسول یا اصحاب رسول کہتے ہیں۔ یہ اپنے اعمال و اطوار، اخلاق و عادات میں، اپنے مرشد و معلم ہی کے ڈھرے پر چلے اور بہ حیثیت مجموعی ایسے نقل مطابق اصل ثابت ہوئے کہ خود دوسروں کے لیے حجت و معیار بن گئے۔ اکبر الٰہ آبادی نے بھی! یہی حقیقت اپنی شاعرانہ زبان میں یوں ادا کی ہے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا!

لیکن اول تو سب ایک درجہ و مرتبہ کے نہ تھے، دوسرے جو بڑے تھے، فرق مراتب و لوازم بشریت سے پھر جن کو جو مرتبے حاصل ہوئے۔ وہ دراصل نبیؐ کی صحبت ہی کی برکت سے حاصل ہوئے۔ اول ان سے کوئی بھی ان میں کامل نہ تھا۔ اور پھر جملہ کمالات بلکہ عصمت کاملہ جس کا نام ہے۔ وہ تو حضرات انبیاء کرام کا حصۂ خصوصی ہے۔

خدائی معیار سے جب گرفتیں حضرات انبیاء تک پر ہوتی رہیں اور غویٰ اور عصیٰ
تک کے نقل بے تکلف اُن کے لئے قرآن مجید میں آتے رہے۔ تو یہ غیر معصومین کی
صالح و پاکباز جماعت کب روک ٹوک کے دائرہ سے باہر رہ سکتی تھی۔ قرآن ان
مخلصین پر گرفتیں جا بجا کرتا گیا ہے۔ کہیں اشارۃً اور کہیں صراحۃً۔

بعض نو آموز ان میں ایسے تھے۔ جو بارگاہ نبوت کے ادب آداب سے پوری
طرح واقف نہ تھے۔ اور اپنی طبعی سادہ دلی سے کبھی کبھی حضور کے تکدر و انقباض
کا باعث ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب کاشانۂ مبارک پر حاضر ہوتے تو بجائے اسکے
کہ حضور کے برآمد ہونے کا انتظار کریں دروازہ سے ہی بے تحاشا آپ کو چیخ کر پکارنا
شروع کر دیتے تھے۔ قرآن مجید میں یہ ذکر مہذب و شائستہ سلاست کے ساتھ یوں
کیا ہے۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرہم لا یعقلون (الحجرات ع ۱)
جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔

لفظ حجرات بصیغۂ جمع خود اس پر دلالت کر رہا ہے کہ بیان زمانۂ قیام مدینہ
کا ہو رہا ہے۔ بعض ایسے بھی تھے (غالباً اہل بادیہ ہوں گے) جو مجلس مبارک میں
آکر چیخ چیخ کر بولتے اور ذرا احترام ملحوظ نہ رکھتے۔ انہیں ادب سکھایا گیا کہ
دھیمی آواز سے بولیں۔ اور قرآن مجید نے ایسی ہدایات کو بالکل ہی نذر اجمال
نہیں کیا ہے۔ بلکہ خاصے بسط و تفصیل سے کام لیا ہے۔ کہ آئندہ نسلوں کو بھی سمجھنے
میں کوئی الجھاؤ نہ باقی رہ جائے۔

يا ايها الذين آمنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبي ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض ان تحبط اعمالكم وانتم لا تشعرون (الحجرات)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیمبر کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولتے ہو کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔ اور تمہیں خبر تک نہ ہو

ظاہر ہے کہ یہ ہدایت خاص مومنین کو کی جا رہی ہے جن کے ذہن میں رسول اللہ کی ادنیٰ بے حرمتی کا شائبہ تک نہیں آسکتا تھا۔ اب اس نفی کے ساتھ اثبات کا، سلب کے ساتھ ایجاب کا۔ اور نہی کے ساتھ امر کا پہلو بھی ملاحظہ ہو۔

ان الذين يغضون اصواتهم عند رسول الله اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى لهم مغفرة واجر عظيم (ایضاً)

بیشک جو لوگ پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے۔ تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خاص کر دیا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم۔

یہ تو آداب مجلسی و معاشری پر توجہ دلانی کی ایک مثال ہوئی۔ اسی طرح کوتاہیاں کبھی عبادات کے دائرہ میں ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک بار حضورؐ خطبۂ جمعہ دے رہے تھے، کہ مسجد کے باہر سے کسی تجارتی قافلہ یا تماشہ کے گزرنے کی آہٹ آئی اور سامعین خطبہ چھوڑ ادھر لپک گئے۔ اس پر بھی صراحت کے ساتھ ٹوکا گیا۔

واذا راوا تجارة او لهوا انفضوا اليها وتركوك قائما قل ما عند الله خير من اللهو ومن التجارة (الجمعۃ ع ۲)

اور یہ جب تجارت یا تماشہ دیکھ پاتے ہیں تو ادھر لپک جاتے ہیں اور آپ کو خطبہ میں کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے پاس جو ہے، وہ تماشہ اور تجارت سے کہیں بڑھ کر ہے

لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے۔ اس قسم کی خال خال بشری کمزوریوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد غیر معصوم مخلص رفیقوں کی یہ جماعت تمام تر پاکباز، بلند کردار اور قدسیوں ہی کی ایک جماعت تھی۔ ان کی ایمان دوستی، کفر دشمنی، فسق بیزاری اور پاکیزہ قلبی کا اعلان قرآن مجید انھیں کو مخاطب کرکے یوں کرتا ہے۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون فضلا من اللہ ونعمۃ (الحجرات ع ۱)	... لیکن اللہ نے تمھیں ایمان کی محبت دے دی اور اس کو تمھارے دلوں میں رچا دیا، اور کفر اور فسق اور معصیت سے تمھیں بیزار کر دیا، یہی لوگ راہ یاب ہیں اللہ کے فضل و انعام سے۔

کسی جماعت کی پختہ ایمانی، ردّ کفری نہیں، فسق و معصیت سے کلی دوری اور پاکی کی شہادت اس سے بڑھ کر اور اس سے واضح تر لفظوں میں اور کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن ٹھہریے ایک ربانی صداقت نامہ اس جماعت کے انہماک عبادات اور طلب رضائے الٰہی کا اور بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود (الفتح - ع ۴)	اور جو لوگ پیغمبر کے ہمراہ ہیں وہ سخت ہیں کافروں کے مقابلہ میں اور نرم دل ہیں آپس میں، اے مخاطب تو انھیں دیکھے گا رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے، اللہ کی فضل و رضا کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان کے آثار ان کے چہروں پر تاثیر سجدہ سے نمایاں ہیں۔

ایک جگہ اور جہاں ذکر جنتیوں کا ہے۔ وہاں الفاظ گو عام ہیں، اور ہر دور کے

اہلِ ایمان ان کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن اشارہ خصوصی ہی جماعت صحابہ کی جانب ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ	یہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیوی زندگی میں)
كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ	بڑے نیک کار تھے۔ رات کو بہت کم سوتے تھے
وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ وَفِي	اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔ اور ان
أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ	کے مال میں سوالی اور غیر سوالی (سب) کا
(الذاریات ع ۱)	حق تھا۔

اُن کی عبادت شب بیداریوں اور استغفار کی سحر خیزیوں کی شہادت ایک اور سلسلہ میں بھی ملاحظہ ہو۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ	آپ کا پروردگار واقف ہے کہ (اے پیغمبر) کہ
أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ	آپ رات میں کھڑے رہتے ہیں قریب دو تہائی
وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ	یا آدھی رات یا تہائی رات کے اور آپ کے
(المزمل ع ۲)	ساتھیوں کا ایک گروہ بھی۔

رفاقت صحبت اور صحابیت کے معنی بھی یہی تھے کہ عبادتوں ریاضتوں اور مشغولیتوں میں بھی اپنے آقا و صاحب کے نقش قدم پر چلا جا سکے۔

اور ایک نقشہ بھی انہیں پاکیزہ نفوس کی روزانہ زندگی کا قرآن مجید نے پیش کیا ہے۔ گو الفاظ یہاں عام و وسیع ہیں، جن میں اُن کے معمولات، اخلاق، عادات، معاملات سب کے خدوخال صاف نظر آ سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ	رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر سکنت سے

عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ
الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ۔ وَالَّذِيْنَ
يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۔
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا
عَذَابَ جَهَنَّمَ ۔ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ
غَرَامًا ۔ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا
وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ
يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔
وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا
آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ
اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا
(الفرقان ۔ ع ۶)

ساتھ چلتے ہیں۔ اور جب اُن سے جاہل لوگ بات
کرتے ہیں تو دفع شر کی بات کہہ دیتے ہیں۔ اور جو
راتوں کو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ اور قیام
میں لگے رہتے ہیں۔ اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ
اے ہمارے پروردگار ہم سے عذاب جہنم کو دور رکھ
بے شک جہنم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے۔ اور وہ جب
خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں
اور نہ بخل سے اور ان کا خرچ کرنا اس کے
درمیان اعتدال پر رہتا ہے اور اللہ کے ساتھ
کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔ اور جس جان
کو اللہ نے قابل حرمت رکھا ہو، اُسے ہلاک نہیں
کرتے۔ ہاں مگر حق پر اور زنا نہیں کرتے۔ اور جو
شخص ایسے کام کرے گا۔ اسے سابقہ سزا سے پڑیگا

صحابہ کے معتبر حالات میں کتابیں اردو میں بھی حدیث وسیر سے ماخوذ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ اور عربی میں تو خیر موجود ہی ہیں۔ ان کی دی ہوئی تفصیلات کو سامنے رکھ کر دیکھئے کہ قرآن مجید نے کس اعجاز کے ساتھ اُن کی تصویر کشی کر دی ہے۔ ابھی قرآنی بیان ابھی ختم نہیں ہوا۔ اسی رکوع کی چند اور سطریں بھی قابل مطالعہ ہیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ
وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۔ وَالَّذِيْنَ

اور یہ لوگ ناجائز مجمعوں میں شامل نہیں ہوتے
اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرتے

اذا ذکروا بآیات ربهم لم یخروا
علیها صمّا وعمیانا۔ والذین
یقولون ربنا هب لنا من ازواجنا
وذریتنا قرة اعین واجعلنا
للمتقین اماما۔ اولئک یجزون
الغرفة بما صبروا ویلقون
فیها تحیة وسلاما۔ خالدین
فیها حسنت مستقرا ومقاما۔
(ایضاً)

بھی ہیں تو سلامت روی کے ساتھ گزر جاتے
ہیں۔ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہو ان کے
پروردگار کے احکام کے ذریعہ سے تو یہ ان پر
بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ اور یہ لوگ
دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار
ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف
سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہم کو
پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔ ایسوں کو بالاخانے
عطا ہوں گے بہ سبب اُن کے ثابت قدم رہنے
کے اور ان کو اس میں دعا اور سلام ملے گا
اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے

قدسیوں کی جماعت کا اطلاق اگر اس جماعت پر بھی نہ ہوگا۔ تو اور کس پر ہوگا؟
البتہ ہاں اس جماعت کے شرف و عظمت کا اندازہ اس سے فرما لیجیے۔ کہ جس
طرح حضور انور کی آمد و ظہور کی پیش خبریاں اگلی آسمانی کتابوں میں درج تھیں
اسی طرح اس جماعت کا نقشہ بھی توریت اور انجیل جیسے گرامی صحیفوں میں
درج رہ چکا ہے۔

سورۃ الفتح کی ایک آیت ابھی کچھ ہی دیر ہوئی آپ کے سامنے پیش ہو چکی
ہو۔ والذین معه اشداء علی الکفار الخ اس سے متصل اور اس کے معاً بعد
قرآن مجید ہی میں ہے۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ   اُن کے اوصاف توریت میں درج ہیں

اعجاز قرآنی کا کرشمہ ملاحظہ ہو، کہ بے شمار تحریفات و تصرفات کے بعد بھی توریت موجودہ میں یہ الفاظ آج تک چلے آرہے ہیں۔

"فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا"

(استثنا ۳۳۔ ۲)

اور یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ فاران مکہ معظمہ ہی کی ایک پہاڑی کا نام ہے اور پھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فتح مکہ کے بعد جتنے صحابیوں یا "قدسیوں" کا ساتھ ہوا تھا، ان کی تعداد بھی دس ہی ہزار تھی۔

توریت میں اس کے بعد ہے۔

"اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی"

قرآن مجید کے الفاظ اشداء علی الکفار آپ سن چکے ہیں، اس کی مطابقت "آتشیں شریعت" سے دینے میں دشواری کسی کو نہیں پیش آسکتی۔ آگے توریت میں ہے

"ہاں وہ اپنی قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے"

قرآن مجید کے الفاظ رحماء بینہم ابھی آپ کے کان میں گونج ہی رہے ہوں گے اور ان کی کسی شرح کی ضرورت نہیں ہے، اور آخر میں توریت میں اس سلسلے میں ہے۔

"اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں۔ اور تیری باتوں کو مانیں گے"

اسے پڑھ کر قرآن مجید کے بھی یہ الفاظ اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے۔

رکعا سجدا یبتغون من فضل اللہ ورضوانا۔ توریت کا بیان آپ نے سن لیا۔ اب انجیلی مدح صحابہ بھی سماعت فرمائیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے توریت کے ساتھ انجیل کا نام بھی لیا ہے۔ اور کہا ہے۔

ومثلھم فی الانجیل کزرع	اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے کہ وہ جیسے کو
اخرج شطأہ فآزرہ فاستغلظ	کھیتی ہیں کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے
فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع	اپنی سوئی کو توی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر
(ایضاً)	اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی
	معلوم ہونے لگی۔

موجودہ محرف انجیلوں سے پہلا اس عبارت کی کسی درجہ میں بھی تصدیق و توثیق کی امید ہو سکتی تھی؟ لیکن نہیں۔ مماثل عبارتیں اب بھی انجیلوں میں باقی رہ گئی ہیں انجیل متی باب ۱۳ کی آیات ۳۱، ۳۲ جب جی چاہے پڑھ کر دیکھ لیجئے اور اس وقت تو سن ہی لیجئے۔

"آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانے کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے۔ اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کی ڈالیوں پر آکر بسیرا لیتے ہیں۔"

اور آپ چاہیں تو ایسی ہی عبارتیں انجیل مرقس باب ۴ آیات ۳۰ تا ۳۲ میں نیز انجیل لوقا باب ۱۳ آیات ۱۸ و ۱۹ میں نکال کر پڑھ سکتے ہیں۔

الغرض مخلص شاگردوں اور جانباز رفیقوں نے رسول کا ساتھ ہجرت و ترک وطن

میں دیا۔ جہاد و قتال میں دیا۔ اور رسول کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔ صحیفۂ ربانی اپنے کمال ذرہ نوازی اور بندہ پروری سے اپنے ان بندوں کی ایثار و اخلاص اپنے اوراق میں برابر درج کرتا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ ہے:۔

لٰکنِ الرسول والذین آمنوا معہٗ جاہدوا باموالہم وانفسہم ؕ واولٰئک لہم الخیرات واولٰئک ہم المفلحون (توبہ ع ۱۱)

لیکن رسول اور جو لوگ آپ کے ساتھ (ہوکر) ایمان لائے انھوں نے جہاد کیا اور اپنی جان سے اور اپنے مال سے۔ انھیں کیلئے تو بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ تو فلاح یاب ہیں۔

رضائے الٰہی کے اس معزز تمغہ کے بعد اگر اس طبقہ کے ہر فرد کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنے اور لکھنے کا دستور ہم مسلمانوں میں پڑ گیا تو اس میں حیرت کی کوئی بات ہی نہیں ——— ایک دوسرا پروانۂ مغفرت و مغفوریت اُن باعظمت پیروانِ رسول کے حق میں اور ملاحظہ ہو۔

والذین آمنوا وہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اُولٰئک ہم المؤمنون حقا لہم مغفرۃ ورزق کریم (انفال ع ۱۰)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا نیز جن لوگوں نے انھیں اپنے یہاں ٹھہرایا اور اُن کی مدد کی یہ سب لوگ تو ایمان کا پورا حق ادا کرنیوالے ہیں انھیں کے لئے مغفرت ہے اور بہترین روزی۔

صحابۂ رسول کی جو دو بڑی تقسیمیں مہاجرین اور انصار کی ہیں قرآن مجید نے یہاں اس تقسیم کو قبول ہی نہیں کیا، بلکہ دونوں گروہوں کی مدح کامل اس ایک آیت کے اندر کر دی۔ ایک گروہ وہ تھا جو اپنے مقتضیات ایمان کی تکمیل کی خاطر ہر طرح سے

خطرے پر داشت کر کے دور کر دی سے کر می مصیبتیں جھیل کر کے اپنے وطن مالوف مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے اور بے خانماں ہو کر دار الہجرۃ مدینہ منورہ کو آیا تھا۔ اور دوسرا طبقہ مدینہ ہی کے باشندوں کا تھا۔ انھوں نے بھی اپنے مقتضیات ایمان ہی کی تکمیل کی خاطر ان مصیبت زدوں کی پذیرائی کی تھی۔ ان بے گھروں کو نئے سرے سے گھر بار والا بنایا اور ان کی خدمت اور مہمان داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ایمان کا حق ادا کرنے والے قرآن یہاں صاف شہادت دیتا ہے کہ یہ دونوں ہی گروہ تو بہ جہاں دوسری جگہ ان دونوں گروہوں کو اُن کے اصطلاحی ناموں "مہاجرین" و "انصار" سے یاد کیا ہے اور مدح صحابہ کا قرآنی نمونہ پیش کر دیا ہے۔

لقد تاب اللہ علی النبی	اللہ نے توجہ فرمائی پیمبر کے حال پر اور ان مہاجرین
والمہاجرین والانصار الذین	و انصار کے حال پر بھی جنھوں نے پیمبر کا ساتھ
اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ	ایسی تنگی کے وقت میں دیا۔ بعد اس کے کہ ان
من بعد ما کاد یزیغ قلوب	میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ تزلزل
فریق منھم ثم تاب علیھم	پیدا ہو چلا تھا پھر اللہ نے اُن کے حال پر
انہ بھم رؤف رحیم	رحمت سے توجہ فرمادی۔ بےشک وہ ان پر
(توبہ۔ ع ۱۴)	بہت شفیق بہت مہربان ہے۔

ساعۃ العسرۃ کے لفظ میں عموم ہے۔ مہاجرین وانصار دونوں نے حضور کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا۔ لیکن اہل تفسیر و اہل تاریخ نے اشارۂ خصوصی یہاں غزوہ تبوک کی جانب سمجھا ہے جس کی تیاریوں کے وقت ما نا غیر معمولی دشواریوں کا کرنا پڑا تھا ـــــ مبارک ہیں وہ اُمتی جن کا ذکر خیر صحیفۂ ربانی میں ذکر رسول کے

ساتھ عطف ہو کر آئے۔ مہاجرین و انصار کے نام کی تصریح کے ساتھ ایک جگہ اور اُن کی مدح و تحسین اسی طرح کھُل کر آئی ہے۔

والسابقون الاولون	اور جو مہاجرین اور انصار سابق و مقدم ہیں نیز
من المھاجرین والانصار والذین	وہ جنھوں نے ان کی پیروی کی نیک کرداری میں
اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم	اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے
ورضوا عنہ واعد لھم جنت	راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار
تجری تحتھا الانھار خالدین	کر رکھے ہیں جن کے نیچے ندیاں جاری ہوں گی۔
فیھا ابدا۔ ذلک الفوز العظیم	اُن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے بہت بڑی
(توبہ ع ۱۳)	کامیابی یہ ہے۔

رضی اللہ عنھم۔ کا نعرہ اب تو کھُل کر اُن قدسیوں کے حق میں وارد ہو گیا۔ اور خیر صحابہؓ مہاجرین و انصار تو ممدوح الہٰی تھے ہی۔ آیت نے یہ بھی صاف کر دیا کہ جو لوگ ان کی پیروی کریں گے۔ وہ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے سزاوار مدح و ستائش ٹھہر جائیں گے۔ اور باحسان کی قید نے ایک اور نکتہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ یعنی تابعین کا اتباع معتبر وہی شمار کیا جائے گا جو باحسان یا حسن عمل میں ہو۔ محض معاصرت یا ہم صحبتی کافی نہیں لہ

صحابہؓ سب کے سب شہری ہی نہ تھے اُن کا ایک حصہ دیہاتوں پر بھی شامل تھا۔

لہ محققین نے خلیفہ یزید بن معاویہ کو تابعینؓ کے زمرہ میں شامل کرنے سے اسی لئے احتراز کیا ہے کہ یہاں اتباع باحسان میں نہ تھا۔

یہ لوگ بجائے اس کے اپنے کمال بے نفسی سے اپنا مال لئے خدمت دین کے لئے حاضر رہتے تھے۔ کہ اس ذریعہ سے انھیں قرب خداوندی اور التفات رسول ﷺ حاصل ہو۔ شرف قبول اُن کے عقیدت کے نذرانوں کو حاصل ہوا۔ اور کیسے نہ حاصل ہوتا ارشاد ہوا:

ومن الاعراب من یومن باللہ والیوم الاخر ویتخذ ما ینفق قربٰت عند اللہ وصلوٰت الرسول الا انھا قربۃ لھم سیدخلھم اللہ فی رحمتہ ان اللہ غفور رحیم

(توبہ ع ۱۲)

دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اسے قرب عند اللہ کا اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ بیشک ان کا یہ خرچ کرنا باعث قربت ہے۔ ضرور ان کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

انھیں اعراب یا دیہاتیوں کے کفر و نفاق کا ذکر بھی قرآن مجید میں شد و مد سے آیا ہے۔ لیکن انھیں اہل بادیہ میں کیسے کیسے مخلصین و مقبولین بھی پیدا ہوگئے ایسی آیت سے ظاہر ہو رہا ہے۔

مسجد نبوی میں بیٹھ کر جو صحابہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اُن کی پاکیزہ طینتی پاکیزہ سیرتی کی شہادت پر قرآن مجید نے اپنی مہر یوں لگا دی ہے گو مقصود اس سیاق میں اصلاً صرف مسجد کی تقدیس کا اظہار تھا۔

لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ

جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقوی پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی آتے ہیں جو پسند

یحبّ المطّھرین — کرتے ہیں اس کو کہ خوب پاک صاف رہیں۔

(توبہ ع ۱۳) — اور اللہ پسند کرتا ہے خوب پاک صاف رہنے والوں کو

ہجرت یعنی دین کی خاطر اپنے وطن مالوف کو چھوڑ دینا بذات خود ایک اتنا بڑا مجاہدہ تھا کہ اسی ایک عمل نے صحابہ مہاجرین کو بلندی مرتبہ میں کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون (النحل ع ۶)

اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا، ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش کہ وہ یہ جانتے!

انھیں مہاجرین مظلوم اور مجاہدین صحابہ کی داد ایک جگہ یوں آئی ہے کہ ان کے ہاتھ اگر حکومت آ گئی، تو یہ ملک کو فسق و فجور سے نہیں ظلم و ستم سے نہیں عدل سے بھر دیں گے۔ اور سکہ شراب و زنا کا نہیں، سود و قمار کا نہیں، خیر و صلاح، تقویٰ و طاعت کا چلا دیں گے۔

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (الحج ع ۶)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں۔ حکم نیک کرداری کا دیں اور روک تھام بدکرداری کی کریں۔

قرآن مجید کی اس سچی پیش خبری کی تصدیق دور خلافت راشدہ نے جس طرح کی اس کی روداد تاریخ کی زبان سے جب چاہے سُن لیجئے اور آخر یہی تو تاریخ

کا دو مثالی دور ہے جسے گاندھی جی ہمارے اپنے زمانے تک بطور مثالی حکومت کے پیش کرتے رہے ہیں۔

جنگ احزاب کا دن مدینہ کے دس سالہ دور محمدی میں ایک سخت ترین دن ہوا ہے۔ قریش خود ہی کیا کم تھے کہ اس روز اپنے ساتھ ملک کے سارے پُر قوت قبیلوں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے تاکہ ہر طرف سے گھیر کے اور دھاوا بول کے اس موحد مسلم آبادی کا خاتمہ ہی کر دیں۔ اور ظاہری سامان اور مادی آثار سب اسی کے نظر بھی آ رہے تھے۔ لیکن مخلصین کی یہ جماعت اس ہولناک صورت حال اور مخالف ماحول سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی۔ نہ بد دل ہوئی نہ ہراساں بلکہ سکون قلب و انشراح خاطر کے ساتھ ثابت قدمی و جانبازی کا ثبوت دیتی رہی کلام پاک کی شہادت ملاحظہ ہو

ولما را المومنون الاحزاب	اور جب مومنین مخلصین نے احزاب کو دیکھا
قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله	تو بولے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ اور اس کے
وصدق الله ورسوله وما زادهم	رسول خبر دے چکے تھے اور اللہ اور اس کے رسول
الا ايمانا وتسليما	نے سچ ہی فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان و
(الاحزاب ع ۳)	اطاعت میں اور ترقی ہی ہوئی۔

احزاب ہی کی طرح ایک دوسرے اہم و نازک موقع صلح حدیبیہ کے سلسلے میں بھی دین داروں کی اس جماعت کی مدح تصریح کے ساتھ آئی ہے۔ حالت اندیشہ ناک ہو چکی تھی۔ اور نظر آ رہا تھا کہ جنگ، جس کے لئے مسلمان تیار ہو کر بالکل ہی نہیں آئے تھے، اب چھڑی اور جب چھڑی۔ عین اس وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ان جان نثاروں نے حضور کے ہاتھ پر بیعت آخر دم تک لڑنے مرنے کی کی تھی۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو

خطاب رسول کریمؐ سے ہے۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا ومغانم کثیرۃ یاخذونھا (الفتح ع ٣)

یقیناً اللہ ان مومنین سے خوش ہو گیا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ اللہ کو بھی معلوم تھا اور اس نے ان کو قریب ہی میں ایک فتح دے دی اور بہت سی غنیمتیں بھی جنھیں وہ لے رہے ہیں۔

آیت میں ان کو نوید آجل یا آخروی کے ساتھ ایک بشارت عاجل فتح قریب کی بھی مل گئی۔ اور اس سے متصل اور بھی بشارتوں پر بشارتیں ہیں جو مستقبل قریب ہی سے متعلق ہے۔

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھذہ وکف ایدی الناس عنکم ولتکون آیۃ للمؤمنین ویھدیکم صراطا مستقیما واخری لم تقدروا علیھا قد احاط اللہ بھا وکان اللہ علی کل شیء قدیرا (ایضاً)

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے سو سر دست یہ تم کو دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے تاکہ یہ مومنین کے لئے ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی سڑک پر ڈال دے اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں ابھی نہیں آئی اور اللہ اس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ حضرات صحابہ اخلاق و روحانیت کی جن بلندیوں تک پہنچ چکے تھے،

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر)

فاقہ ہو اس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں پاتے اور (انہیں) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ خود ان پر فاقہ ہو اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ ہو گیا تو یہی ہیں فلاح پانے والے

طبعی بخل نفس پر فتح پا لینے کے بعد بندوں کے معاملات میں پھر کون سا درجہ مجاہدہ باقی بھی رہ جاتا ہے؟ فرق مراتب سے کوئی طبقہ خالی نہیں ہو سکتا۔ انصار، مہاجرین سارے طبقات صحابہ ظاہر ہے کہ افراد کے لحاظ سے ایک سطح پر نہ تھے۔ نہ ہو سکتے تھے۔ کوئی کامل تھا، کوئی کامل تر۔ لیکن بہرحال مرتبہ خیریت اور درجہ مقبولیت پر فائز سب ہی تھے۔ قرآن مجید نے کتنا صریح فیصلہ اور وہ بھی خود گروہ صحابہ ہی کو مخاطب کرکے اس باب میں سنا دیا ہے۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (الحدید ع ۱)

تم میں سے جو لوگ فتح (مکہ) سے قبل (راہِ) خدا خرچ کر چکے اور قتال کر چکے، وہ برابر نہیں۔ وہ مرتبہ میں ان لوگوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے خرچ اور قتال بعد میں کیا اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ ان سب ہی سے کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

انبیاء سابقین کے رفیقوں، مریدوں، شاگردوں کے حالات تفصیل کے ساتھ تو معلوم نہیں لیکن حضرت نوحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کے صحابیوں کے جتنے بھی حالات قرآن مجید یا توریت و انجیل میں درج ملتے ہیں،

ان کا مقابلہ ذرا قرآن ہی کی روشنی میں ہمارے رسول اکرمؐ کے جان نثار صحابیوں سے کرکے دیکھئے تو ایک قدرت خدا نظر آتی ہے۔ اور بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔ کہ آنحضورؐ کی شخصیت جس طرح اپنے ذاتی فضائل و کمالات کے ساتھ نوع بشری میں مثالی ہوئی ہے اسی طرح اپنے صحابیوں کے اخلاص ایثار اور فدائیت کے لحاظ سے تاریخ عالم میں ایک بالکل امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

خطبہ (۸)

معجزات و دلائل

معجزہ یا تائید و نصرت حق کے لئے خارق عادت شاید ہر پیغمبر کی زندگی کا ایک لازمی جزو رہا ہے اور اکثر انبیاء مثلاً حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت یونسؑ حضرت شعیبؑ۔ حضرت لوطؑ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ علیہم السلام کے معجزے تو قرآن مجید میں بہ صراحت مذکور ہیں، ایسی صورت میں یہ کیونکر باور کیا جائے کہ جو انبیاء و رسل کا سردار و سرور دار ہوا ہے اس سے کوئی معجزہ سرے سے صادر ہی نہ ہوا ہو؟ —— لفظ معجزہ ایک علمی اور کلامی اصطلاح بہت بعد کی ہے قرآن مجید نے ایک بڑا جامع لفظ "آیت" یعنی نشان استعمال کیا ہے۔ اس کے تحت میں خارجی خوارق اور معنوی دلائل دونوں آجاتے ہیں۔

محمد مصطفیٰؐ کا سب سے بڑا اور سب سے نمایاں معجزہ وہ کتاب ہے، جسے لے کر آپ آئے اور جو دوسرے معجزات و خوارق کی طرح وقتی اور ہنگامی نہیں۔ بلکہ مستقل اور دائمی ہے۔ اس کتاب نے خود اپنے آپ کو بار بار اس دعویٰ اور

تحدی کے ساتھ پیش کیا کہ یہ کلام بشر نہیں، کلام اللہ ہے جس کی مثال اور نظیر ممکن نہیں اور اگر رسول کے منکرین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کلام رسولؐ کا گڑھا ہوا ہے تو وہ اس کی ساری سورتوں کا نہیں، کل دس سورتوں کا۔ اور اسے بھی جانے دیں، کل ایک ہی سورت کا جواب ذرا تیار کر لائیں۔ اور اس کے لئے انہیں بہت زیادہ تک کی ہے۔ چیلنج دیتی ہیں وہ اور ان کے سارے حامی جب بھی جتنا اپنا پورا زور لگا کر دیکھ لیں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

جاہلی قومیں معجزہ کے معنی صرف مادی خرق عادات یا خارجی اعجوبہ کے سمجھتی رہی ہیں۔ اہل جاہلیت عرب نے بھی رشد و ہدایت کے سرور سے یہی مطالبہ پیش کیا جواب میں ارشاد ہوا۔

اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیھم (العنکبوت ع ۵)

کیا ان لوگوں کے لئے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟

گویا بتا دیا کہ اگر اعجاز ہی کی طلب و تلاش ہے تو اس کتاب سے بڑھ کر اعجاز رکھنے والی چیز دنیا و ما فیہا میں اور کون ہو سکتی ہے!

اہل علم میں یہ بحث شروع سے چلی آ رہی ہے کہ قرآن مجید کا اعجاز کس لحاظ سے اور کس اعتبار سے ہے؟ کسی نے کہا کہ فصاحت و بلاغت کے معیار سے، کسی نے کہا کہ نظم کلام کے لحاظ سے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ پیشین گوئیاں اور غیبی خبروں کے پہلو سے۔ ایک اور گروہ قائل ہے کہ اپنے احکام کی جامعیت اور دینی تعلیمات کی بلندی کے اعتبار سے۔ اسی طرح اور پہلو بھی اختیار کئے گئے ہیں

لیکن خود قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ان کا عموم ان تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ گویا قرآن ایک معجزہ رسول کریم کا ان سارے ہی مفہوموں کے اعتبار سے ہے۔ اور اس لئے چیلنج کے لہجہ میں اعلان کر دیا ہے کہ سارے جن و بشر مل کر بھی زور لگا دیکھیں، دوسرا قرآن ان کی طاقت سے باہر ہے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

آپ کہہ دیجئے اے پیغمبر کہ اگر سارے جن اور انسان مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تو نہ لا سکیں گے۔ خواہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

اس آیت میں تو ذکر دوسرے قرآن کا تھا یعنی اس سارے قرآن کے مثل کوئی دوسری کتاب۔ لیکن دوسری جگہ تحدی کا معیار گھٹا کر دس سورتوں تک لے آیا گیا ہے۔ یعنی اگر پورا قرآن نہیں لا سکتے ہو، تو اس کا کوئی معمولی حصہ دس ہی سورتوں کی مقدار کا بنا دیکھو!

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (ہود۔ ع ۲)

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان پیغمبر نے یہ (قرآن) خود گڑھ لیا ہے! تو آپ کہہ دیجئے کہ تم اس کی سی دس ہی سورتیں گڑھ کر لے آؤ، اور اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو اللہ کے سوا جس کو بھی چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو۔

ہوتے ہوتے چیلنج اتنا سخت ہو گیا کہ مقدار گھٹا کر کل ایک سورت کی کر دی گئی (اور معلوم ہے کہ قرآن مجید کی ایک سورت کل تین آیتوں کی بھی ہو سکتی ہے)

اور ارشاد ہوا کہ اگر کھرے ہو۔ تو اپنے سارے حمایتیوں کو بلا کر کل ایک ہی سورت بنا لاؤ۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین (البقرۃ ع ۳)

اور اگر تم کو اس (کتاب) کے بارے میں شک ہو، جو ہم نے اپنے بندۂ (خاص) پر آتاری ہے تو اس کی سی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے سارے گواہوں کو بلاؤ، اگر اپنے دعوی میں سچے ہو۔

اور تقریباً یہی مضمون ایک دوسری جگہ بھی وارد ہوا ہے :-

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (یونس ع ۴)

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) نے یہ (قرآن) گڑھ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم ایک ہی سورۃ اس کی سی لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا جو کوئی بھی تمھارے بس میں ہے لے بلاؤ اگر اپنے دعوی میں سچے ہو۔

ہوتے ہوتے تیرہ ایک چھوٹی سورت کی بھی نہ رہی۔ اور تحدی کی نوبت شاید ایک آیت یا ایک آدھ فقرہ تک کے لئے پہونچ گئی :-

ام یقولون تقولہ بل لا یومنون فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین۔ (الطور ع ۲)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن (پیغمبر) نے اپنی طرف سے [illegible] بات یہ ہو کہ نہیں ایمان ہی نہیں یہ اس کی سی ایک بات بھی تو بنا لے آئیں۔ اگر یہ اپنے دعوی میں سچے ہیں!

یہ تحدی نہ صرف حضورؐ کی زندگی میں سالہا سال قائم رہی۔ بلکہ اس وقت سے لے کر آج تک ہر ملک ہر زمانہ کے مقابلہ میں قائم چلی آرہی ہے۔ تیرہ صدیاں تو یہی چیلنج پر گزر ہی چکیں۔ اور اب چودہویں بھی ختم پر آرہی ہے۔ آج تک قرآن کے بڑے بڑے مخالفین ومعاندین دوسرا قرآن کیا معنی اس کا کوئی حصہ بھی نہ پیش کرسکے! منکرین کی غیرت کو مہمیز کرنے کے لئے قرآن نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا	تو اگر تم یہ نہ کرسکے اور ہرگز نہ کرسکوگے تو اس
فاتقوا النار التی وقودھا الناس	آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی ہیں اور
والحجارۃ اعدت للکافرین۔	(یہ جے جانے والے) پتھر بھی۔ جو کافروں کے
(البقرہ ع ۳)	لئے تیار موجود ہے۔

اتنا مستقل۔ پائدار۔ زوردار معجزہ کسی اور پیغمبر کو کیوں عنایت ہوا ہوگا۔ اتنا بڑا دعویٰ کسی اور مدعی کی زبان سے کب دہرایا گیا ہوگا؟ جس کا جی چاہے آج بھی امتحان کی کسوٹی پر اس معجزہ کو جانچ لے۔ پرکھ لے۔ کسی دوسری آسمانی کتاب کے لئے یہ دعویٰ کب کسی دوسرے صاحب کتاب کی زبان سے نکلا؟

ہاں ایک جگہ خود قرآن ہی نے جو ہر نبی کی عزت کا محافظ ہے اپنے ساتھ توریت کو بھی شامل کرلیا ہے اور یوں کہا ہے کہ کوئی کتاب آسمانی لاکر پیش کرو جو ہدایت نامہ کی حیثیت سے ان دونوں سے بڑھ کر ہو۔

قل فاتوا بکتاب من عند اللہ	آپ کہہ دیجئے کہ کوئی کتاب اللہ کے یہاں سے
ھو اھدیٰ منھما اتبعہ ان کنتم	ایسی لے آؤ جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر
صادقین فان لم یستجیبوا لک فاعلم	ہو، تو میں اس کی پیروی کروں۔ اگر تم اپنے دعوے

انما یتبعون اھواءھم (القصص ع ۵) — تم سچے ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کی یہ بات نہ کر دکھا سکیں۔ تو آپ جان لیجئے کہ یہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں

اعجاز قرآنی کے یہ دعوے قرآن کی زبان سے کلی دعوی رنگ میں تھے۔ لیکن بعض جگہوں ایسا بھی ہے کہ قرآن مجید نے ان متعدد وجوہ اعجاز میں سے کسی ایک آدھ پہلو کو نمایاں کیا ہے۔ مثلاً کہیں بلسان عربی مبین یا قرآناً عربیاً غیر ذی عوج کہہ کر اس کی بے نظیر فصاحت و بلاغت کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور کہیں نور و کتاب مبین یا ھدی للمتقین یا یھدی للتی ھی اقوم کہہ کر اس کے روحانی و ہدایتی پہلو پر زور دیا ہے اور اس کی معنویت کو ابھارا ہے اور کہیں ھو شفاء لما فی الصدور یا [illegible] کہہ کر اس کی تاثیر اور قوت تسخیر کا [illegible] ذکر کیا ہے۔ غرض یہ کہ یہ کتاب کا معجزہ صاحب کتاب کی زندگی کا سب سے بڑا معجزہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ساری تاریخ انبیاء میں اس سے بڑھ کر کسی دوسرے معجزے کی مثال نہیں ملتی۔ اور حق یہ ہے کہ اتنے صریح و واضح اور مستقل و مستمر معجزہ کے بعد رسول اللہ صلعم کو ضرورت ہی کسی اور وقتی اور عارضی معجزہ کی نہ تھی۔ لیکن واقعہ یہ نہیں، واقعہ یہ ہے کہ حضور کی زندگی میں ایک دو نہیں متعدد معجزے ایسے اور ملتے ہیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید نے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے اور قرآن ان کی گواہی رہتی دنیا تک دیتا رہے گا۔

اور ان میں سے ایک بین معجزہ یہ ہے کہ آپ جب اللہ کی راہ میں قتال

کے لئے نکلے۔ اور اپنے سے کہیں قوی تر دشمن کے مقابل صف آرا ہوئے تو آپ کی امداد فرشتوں کے لشکر سے کی گئی۔ اور یہ ماجرا ایک سے زائد بار پیش آیا اس لشکر غیبی کے لئے کہیں تو الفاظ مبہم استعمال ہوئے ہیں مثلاً غزوۂ حنین کے سلسلہ میں یہاں ارشاد صرف اس قدر ہوا ہے۔

انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین وانزل جنودا لم تروھا (التوبہ ع ۴)

اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر اور مومنوں پر اور وہ فوجیں بھی جن کو تم لوگ نہ دیکھ سکے

اور ایسا ہی ایک مجمل بیان غزوۂ احزاب کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیھم ریحا وجنودا لم تروھا (الاحزاب ع ۲)

جب دشمن کی فوجیں تم پر آ پڑیں تو ہم نے ان پر تیز ہوا بھیجی اور فوجیں جنہیں تم لوگ نہ دیکھ سکے۔

ان دونوں واقعات میں فرشتوں کی تصریح نہیں ہے۔ گو غیر مرئی لشکروں سے مراد فرشتے ہی لئے گئے ہیں۔ لیکن غزوۂ بدر کے سلسلہ میں یہ پردہ بھی اٹھ جاتا ہے۔ اور فرشتوں کی نہ صرف تصریح ہوتی ہے بلکہ ان کی تعداد بھی معرض بیان میں آجاتی ہے۔

فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملئکۃ مردفین (الانفال ع ۱)

تمہارے پروردگار نے تم لوگوں کی سن لی اور کہا کہ میں تمہاری مدد آتے رہنے والے ایک ہزار فرشتوں سے کروں گا۔

غزوۂ احد کے سلسلہ میں تو نوبت تصریح در تصریح کی آگئی ہے۔

اذ تقول للمومنين الن	اور جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے
يكفيكم ان يمدكم ربكم بثلثة	لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد
الاف من الملئكة منزلين	تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے گا
بلى ان تصبروا و تتقوا ياتوكم	ہاں کیوں نہیں بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ کو قائم
من فورهم هذا يمددكم ربكم	رکھا اور اگر وہ لینی دشمنوں کے لشکر تم پر دفعۃً
بخمسة الاف من الملئكة	آپہنچے تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد
مسومين (آل عمران ع ۱۳)	پانچ ہزار نشان کئے ہوئے فرشتوں سے کریگا

انھیں محاربات و غزوات کے سلسلہ میں علاوہ نزول ملائکہ کے اور بھی جن غیبی اور خدائی طریقوں سے رسول برحق کی امداد ہوتی رہی ہے مثلاً دلوں میں القائے سکینت، دشمن پر ہوائے مخالف کا چلنا، بارش ہو جانے سے لشکر اسلام کو نفع پہونچ جانا۔ تھکے ہوئے مسلمان فوجیوں کا غنودگی سے تازہ دم ہو جانا یہ ساری چیزیں قرآن مجید کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ اور ان سب کا شمار اگر معجزات نبوی میں نہ کیجئے تو آخر اور کیا کیجئے۔

اور ان غیبی امدادوں اور اس قسم کے معجزات کا دائرہ غزوات و محاربات ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ ہجرت مدینہ کے وقت بھی اس رسول برحق کی نصرت کچھ ایسی ہی عجائب کارو بار سے ہوئی تھی ـــــــ سرداران قریش کی دشمنی اس وقت شباب پر تھی اور چالیں ہر طرح کی آپ کی قید اور جلاوطنی اور قتل کے لئے چلی جا رہی تھیں۔

واذ يمكر بك الذين كفروا	اور جبکہ یہ لوگ آپ کی نسبت چالیں چل رہے تھے

یثبتوک او یقتلوک او یخرجوک (الانفال ع ۴) — کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں۔

اس وقت کا منظر یوں دکھایا گیا ہے۔

یمکرون و یمکر اللہ (الانفال) — وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا۔

غرض یہ کہ ہجرت کا دشوار مرحلہ اعجازی ہی رنگ میں رسولؐ کے لئے آسان کر دیا گیا۔ اور ان جزئی اور متفرق واقعات سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز یہ قرآنی وعدہ ہے کہ شدید ہجوم اعداء کے باوجود اللہ آپ کو محفوظ اور صحیح و سالم بھی رکھے گا۔

واللہ یعصمک من الناس (المائدہ ع ۱۰) — اللہ آپ کو محفوظ رکھے گا لوگوں سے

اور یہ سورۃ تو مدنی ہے اس سے قبل ایک مکی سورۃ میں جانی دشمنوں کے نرغہ کے وقت کچھ اسی قسم کی تسکین دی جا چکی تھی۔

فاصبر لحکم ربک فانک باعیننا (الطور ع ۲) — آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے رہئے آپ تو ہمارے آنکھوں سامنے ہیں

گویا ساری زندگی آپ کی بحفاظت اعجازی رنگ میں گزرتی رہی تا آنکہ آپ نے اپنے مقصد وجود کو پورا کر لیا اور حق تبلیغ رسالت کا ادا کر دیا۔

ہمارے رسول کے خوارق و معجزات میں سے ایک بہت نمایاں آپ کا وصف امیت ہے۔ جو شخص ایران، ہندوستان، مصر، عراق، یونان وغیرہ کے

اس کی مزید صراحت کے ساتھ اس کی اس حکمت و مصلحت کا بھی اضافہ کر دیا ہے؛

وما کنت تدری ما الکتاب	اور آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب ہے کیا چیز۔ اور نہ
ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب	اپنے ہاتھ سے اسے لکھ ہی سکتے تھے اگر ایسا ہوتا
المبطلون (العنکبوت ع ۵)	تو اہل باطل کچھ شک کر بھی سکتے تھے۔

یعنی اس وقت ان باطل پرستوں کو یہ کہنے کی گنجائش کچھ نکل بھی سکتی تھی کہ آدمی پڑھے لکھے ہیں، کہیں سے لے لا کر ایسی تصنیف کر ڈالی۔

یہ سب انکار صریح تو آپ کی کتابی اور ظاہری تعلیم سے ہوا۔ ایک جگہ آپ کی قبل نبوت کی معنوی تعلیم کی بھی نفی کی ہے۔

وما کنت تدری ما الکتاب	آپ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز
ولا الایمان (الشوریٰ ع ۵)	ہے اور ایمان کیا۔ ؎

اسی امیت ہی کے اعجاز کو نمایاں تر کرنے کے لئے ایک جگہ تاریخ قدیم کے واقعات کو بیان کرکے ارشاد ہوا ہے۔

ما کنت تعلمھا انت ولا قومک	ان کا علم نہ آپ کو تھا نہ آپ کی قوم کو اس
من قبل ھذا (سورہ ہود ع ۴)	(نزول قرآن) سے قبل

سلسلہ معجزات میں حدیث و سیر کی کتابوں میں دو واقعات کا ذکر شد ومد سے آیا ہے۔ ایک ان میں سے معجزہ شق القمر ہے۔ قرآن مجید کی جس آیت میں

؎ اور اگر کہیں کوئی بات دینی حقائق و معارف کی آپ کے کان میں محض اتفاق سے کبھی پڑ گئی ہو۔ مثلاً نسطوری راہب بحیرا کی زبان سے آپ کے سفر شام کے دوران میں تو یہ بیان قرآن کے منافی نہیں۔

یہ ذکر ہے۔ گو اس کی تعبیر و تفسیر مختلف طریقوں سے کی جا سکتی ہے اور یہ لازمی نہیں کہ اس کے متعین معنی ہی لیئے جائیں۔ پھر بھی اگر اس کو حیات نبوی کا ایک واقعہ سمجھا جائے تو قرآن مجید اس کی تائید کے لیئے موجود ہے۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر	قیامت کی گھڑی قریب آ لگی ہے اور چاند
وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا	شق ہو گیا اور یہ کافر لوگ تو کوئی سا بھی
سحر مستمر	نشان دیکھیں اس سے اعراض ہی کرتے رہیں
(القمر ع ۱)	اور یہی کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے

اہل سیر کے نزدیک یہ ابتدائی مکی زندگی میں پیش آیا تھا۔

اور دوسرا مشہور واقعہ شق صدر کا ہے جو حضور کے بچپن میں پیش آیا تھا۔ جزئیات و تفصیلات کے ساتھ تو نہیں البتہ اجمالاً اس کی طرف اشارہ مشہور آیت میں مل سکتا ہے۔

الم نشرح لک صدرک	کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کھول
(الم نشرح ۱)	نہیں دیا؟

سوانح نبوی کا ایک بڑا معرکۃ الآرا واقعہ معراج نبوی ہے۔ اور عام امت کے ذہن میں اس کا شمار اہم ترین معجزات نبوی میں ہے۔ اور حدیث و سیر کی کتابیں اس کی تفصیلات سے بھری ہوئی ہیں — بنیادی حیثیت سے دو بالکل الگ الگ جزو اس واقعہ عظیم کے ہیں۔ اور قرآن مجید نے بھی دونوں کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ گو ہر جزو کی تفسیر و تعبیر متعدد پہلوؤں کی حامل ہے۔ پہلا جزو حرم مکہ سے بیت المقدس تک راتوں رات سفر سے متعلق ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ	پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنے بندہ (محمدؐ)
لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد	کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)
الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ	تک جس کے گرد و پیش ہم نے برکت دے رکھی ہے
من آیاتنا	تاکہ ہم اپنے اس (بندہ) کو اپنی کچھ نشانیاں
(بنی اسرائیل ع ۱)	دکھائیں۔

مکہ معظمہ سے یروشلم کا فاصلہ سینکڑوں میل ہے۔ طے کرنے میں اس وقت ہفتوں نہیں مہینوں کی مدت لگ جاتی تھی اتنا لمبا فاصلہ ایک رات کے اندر ہی اندر طے کر لینا یقیناً ایک اعجوبہ اور بہت بڑا اعجوبہ تھا۔ قرآن مجید نے معجزہ کے اس جزو کی تصدیق ہی نہیں کی خود اس کی روایت کی!

معجزہ کا دوسرا جزو پہلے سے بھی اہم تر و عجیب تر ہے، اور وہ سیر آسمانی سے متعلق ہے۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اس کی خاصی تفصیلات بھی بیان کر دیں۔ گو زبان تمام تر رمز و کنایہ کی رکھی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

علمہ شدید القویٰ ذو مرۃ	(ان پیغمبر کو سکھلاتا ہے بڑی قوت والا فرشتہ)
فاستویٰ وھو بالافق الاعلیٰ	پیدائشی طاقتور پھر وہ اپنی صورت پر ظاہر ہوا اس حال
ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین	میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارے پر تھا پھر وہ نزدیک گیا
او ادنیٰ۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ	اور زیادہ نزدیک ہوا سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا
ما کذب الفؤاد ما رایٰ۔ افتمارونہ	بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے پر وحی نازل کی
علیٰ ما یریٰ	دل نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی (اے منکرو)
(النجم ع ۱)	تو کیا تم ان سے نزاع کرتے ہو ان چیزوں میں جو

اُن کی دیکھی بھالی ہیں ۔

بیان ابھی ختم نہیں ہوا ہے آگے ارشاد ہوتا ہے ۔

ولقد رآہ نزلۃ اُخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ عندہا جنۃ المأویٰ اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ ما زاغ البصر وما طغیٰ لقد رأیٰ من آیات ربہ الکبریٰ

اور انھوں نے اس فرشتہ کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب کہ اس کے قریب جنت الماویٰ ہے جبکہ اس سدرہ کو لپیٹ رہی تھیں جو چیزیں کہ لپٹ رہی تھیں۔ ان پیغمبر کی نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی یقیناً انھوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کے بڑے عجائبات دیکھے۔

(النجم)

لفظی ترجمہ آیتوں کا آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ رہی ان مشاہدات وکیفیات کی جزئی تحقیق تو اس کے لئے موزوں دوسری جگہیں ہو سکتی ہیں۔ سیرت نبوی قرآنی سے ان دقائق کا تعلق نہیں ۔

قرآن مجید کے صفحات کے اندر متعدد واقعات سے متعلق جو اس وقت تک معرض وقوع میں نہیں آئے تھے۔ پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ کہیں جلی اور کہیں خفی، جو آگے چل کر تمام تر صحیح ثابت ہوئیں مثلاً فتح خیبر، فتح مکہ، عہد رسالت کے بعد کی فتوحات۔ وقس علیٰ ہذا۔ یہ اخبار بالغیب براہ راست قرآن سے متعلق ہے۔ اور ایسی چیزوں کو شمار معجزات قرآنی ہی کے ماتحت ہونا چاہئے۔ لیکن چونکہ یہ سارے دعوے نبی ہی کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوئے تھے۔ اس لئے اگر انھیں معجزہ نبوی سے تعبیر کیا جائے جب بھی کچھ بے جا نہ ہوگا۔ ان میں بھی اور حیرت انگیز پیشین گوئیوں میں سب سے بڑھ کر غلبہ روم کی پیشین گوئی نکلی وقت کی سب سے بڑی سلطنت شہنشاہی

مشرق میں ایران اور مغرب میں روم کی تھیں ۔

ایران سنہ ۶۱۶ء میں اپنے حریف روم کو زبردست اور کاری شکست دے چکا تھا اور مادی ظاہری اسباب کے لحاظ سے اس کی مطلق توقع نہ تھی کہ رومی مستقبل قریب میں کچھ بھی عوض اپنی شکست کا لے سکیں لیکن قرآن مجید نے اسی وقت بیدھڑک خبر دیدی اور مخالفین کے جم غفیر کو سنا دیا کہ رومی چند ہی سال کے اندر از سر نو فتح مند ہو جائیں گے ۔

غلبت الروم فی ادنی الارض
وھم من بعد غلبھم سیغلبون
فی بضع سنین لله الامر من قبل
ومن بعد ویومئذ یفرح المومنون
بنصر الله ینصر من یشاء وھو
العزیز الرحیم وعد الله
لا یخلف الله وعدہ

(الروم ع ۱)

رومی قریب تر سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں
لیکن وہ مغلوب ہونے کے بعد چند ہی سال
کے اندر پھر غالب آ جائیں گے ۔ اللہ ہی کے
ہاتھ میں ہر فیصلہ ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور
اس روز مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے
جسے چاہے مدد دے، وہ غالب ہے رحیم ہے
اللہ کا وعدہ ہو چکا، اللہ اپنے وعدے کو کبھی
نہیں توڑتا ۔

دس سال بھی نہیں گزرنے پائے تھے تاریخ کا بیان ہے کہ ابھی کل نواں سال تھا یعنی سنہ ۶۲۵ء کہ روم کو نہ صرف فتح کامل ایران پر حاصل ہو گئی! اور یہ یاد بھی تازہ کر لیجیے کہ قرآن مجید نے لفظ فی بضع سنین (چند سال کے اندر) کا استعمال کیا تھا۔ اور زبان عرب میں بضع کا اطلاق نو ہی سال تک کے ہر سال بھی ہے۔ مشہور انگریز مورخ گبن نے صدیوں بعد گواہی دی کہ پیشین گوئی کے

وقت اس پیشین گوئی سے بڑھ کر کوئی چیز بعید از قیاس نہ تھی۔

معجزات اجل کا ذکر آ چکا۔ معجزات نبوی کی ایک نوعیت یہ بھی تھی کہ کبھی کسی واقعہ مخفی سے حضور کو غیب سے اطلاع ہو جاتی تھی۔ اور آپ کے قریب والے تک آپ کی اس غیب دانی سے حیران رہ جاتے تھے ایک بار ایک بیوی صاحبہ سے آپ نے کوئی بات راز میں فرمائی انھوں نے رازداری کے اس اہتمام کے ساتھ وہ بات دوسری بیوی تک پہنچا دی یہ راز شکنی کا راز آپ پر غیب سے ظاہر ہو گیا۔ آپ نے ان پہلی بیوی صاحبہ سے سوال کیا ان بیچاری نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کو یہ خبر کیسے لگ گئی، آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر میرے خدائے دانا و بینا نے پہونچا دی۔

فلما نبأها به قالت من انبأك هذا قال نبأني العليم الخبير (التحریم ع ۱)	جب آپ نے ان پہلی بیوی کو جتایا تو انھوں نے حیرت سے پوچھا کہ آپ کو یہ خبر کس نے دی، آپ نے فرمایا کہ مجھے خبر دی خدائے علیم و خبیر نے

اور تفحص و استقصاء سے کام لیا جائے تو اس طرح کے اور بھی اتفاقات کے اشارے قرآن مجید میں مل جائیں گے۔

خطبہ (۹)

خانگی اور ازدواجی زندگی

دوسرے مذہبوں کی تعلیم جو کچھ بھی ہو، اسلام نے پیغمبروں کو زاہدوں اور سنیاسیوں کی شکل میں نہیں، بلکہ بیوی بچے رکھنے والے، اولاد و خاندان والے، گھر گرہستوں کے قالب میں پیش کیا ہے۔ اور اللہ کے خاص بندوں، عباد الرحمٰن کی ایک صفت یہ بھی بتایا گیا ہے، کہ وہ اللہ سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ ان کی ازواج و اولاد کو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔

والذین یقولون ربنا ھب لنا	اور وہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے
من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین	ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری
واجعلنا للمتقین اماما۔	اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا
(الفرقان ع ۶)	فرما۔ اور ہم کو متقیوں کا سربراہ کر دے۔

پیغمبروں نے اولاد کی تمنائیں کی ہیں، دعائیں کی ہیں چنانچہ حضرت زکریاؑ کی زبان سے۔

رب لا تذرنی فردا وانت	اے میرے پروردگار مجھے لاوارث نہ رکھیو

خیر الوارثین (انبیاء ع ۶) اور یوں سب سے بڑا وارث تو تو ہی ہے۔

اور دوسری جگہ یہ دعا تفصیل سے نقل فرمائی گئی ہے۔ پیرانہ سالی کے باوجود اولاد صالح کے لئے آپ کس لگن کے ساتھ دعا و مناجات کرتے ہیں۔

وانی خفت الموالی من ورائی — اپنے بعد مجھے اپنی برادری والوں سے اندیشہ ہے
وکانت امراتی عاقراً فھب لی — اور میری بیوی عقیم ہے سو تو مجھے خاص اپنے
من لدنک ولیا یرثنی ویرث — پاس سے ایک وارث عطا فرما کہ وہ میرا بھی
من آل یعقوب واجعلہ رب — وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی وارث بنے
رضیا۔ (مریم ع ۱) — اور اسکو اے میرے رب پسندیدہ بنا لے۔

قرآن مجید نے پیمبروں میں سے ذکر ایک کا نہیں بہتوں کا کیا ہے اور ان میں سے اکثر کے ساتھ تذکرہ ان کے اہل یا عیال کا بھی آ گیا ہے۔ عموماً مدح و احسان کے موقع پر۔ پیمبروں کی اس عام سنت کے بعد رسول صلعم کا عیالدار ہونا بالکل منصب تھا لیکن ضرورت ظن و تیاس کی نہیں۔ رسول کے اہل بیت کا تذکرہ وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اور آپ کی خانہ داری اور ازدواجی زندگی اس حد تک تو قرآن مجید سے صاف نکل ہی رہی ہے۔ رسول اللہ کی اہلی زندگی کے سلسلہ میں قرآن مجید میں ازواج اور نساء دو لفظ آئے ہیں اور دونوں بصیغۂ جمع اس سے یہ تو ظاہر ہی ہو گیا کہ آپ کی بیویاں متعدد تھیں۔ ایک جگہ ہے:۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما — اے نبی آپ اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے اپنے
احل اللہ لک تبتغی مرضات — اوپر وہ کیوں حرام کئے لیتے ہیں جو اللہ نے

ازواجات (التحریم ع ۱) آپ کے لیے جائز رکھا ہے۔

ازواج بصیغۂ جمع دو کئی جگہ بھی قرآن میں حضور کی بیویوں کے لیے آیا ہے اور یہی حال لفظ نساء (بصیغۂ جمع) کا ہے۔

یا نساء النبی لستن کاحد من النساء (الاحزاب ع ۴) اے نبی کی بیویو تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اور اس رکوع میں بار بار ذکر انہیں بیویوں کا بصیغۂ جمع آیا ہے۔ تو نفس تعدد کو قرآن مجید نے واضح طور پر ظاہر کر دیا ہے۔ اب یہ کہ ان کی تعداد کتنی تھی اس پر چونکہ کوئی فقہی، اخلاقی، روحانی مسئلہ مبنی نہ تھا، اس لئے قرآن مجید نے اسی غیر ضروری جزئیہ کا ذکر نہ کیا۔ تعداد کی تصریح حدیث و سیر کی کتابوں میں آ گئی ہے۔

ان ازواج مطہرات کا مرتبہ بھی عام مومنات سے بلند تر تھا، اور اسی نسبت سے ان کی ذمہ داریاں بھی کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔ جو آیت آپ نے ابھی سنی تھی اسے ایک بار پھر سماعت فرما لیں۔

یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن (ایضاً) اے نبی کی بیویو تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تقویٰ اختیار کئے رہو۔

اور چونکہ یہ جادۂ تقویٰ سے نہیں ہٹیں بلکہ اس پر قائم و مستقیم رہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سطور و بین السطور دونوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے لازمی طور پر ان کی قدر و منزلت بھی بہت اونچی رہی۔ ایک جگہ ان کے فضل و منزلت اور ان کی ذمہ داریوں دونوں کو کس طرح سمو کر بیان فرما دیا گیا ہے۔

يا نساء النبي من يأت منكن بفاحشة مبينة يضاعف لها العذاب ضعفين (الاحزاب ع ۴)

اے نبی کی بیویو تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی۔ اس کو سزا بھی دوہری ملے گی۔

اور اسی کے متصل

ومن يقنت منكن لله ورسوله وتعمل صالحاً نؤتها اجرها مرتين (ایضاً)

اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے پیمبر کی فرمانبرداری کرے گی۔ اور نیک عمل کرتی رہے گی۔ ہم اسے اس کا اجر بھی دوہرا دیں گے۔

ان کے لئے شریعت کے عام قانونوں کی پابندی ضروری تھی۔ اور اُن کے لئے کچھ احکام خصوصی بھی تھے۔ ایک طویل آیت میں ان میں سے اکثر کو ایک جا کر دیا گیا ہے:۔

فلا تخضعن بالقول فيطمع الذي في قلبه مرض وقلن قولاً معروفاً وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى واقمن الصلوة وآتين الزكوة واطعن الله ورسوله انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا واذكرن ما يتلى في

تو تم بولنے میں نزاکت نہ اختیار کرو کہ اس سے ایسے شخص کو کہ جس کے دل میں کھوٹ ہے توقعات قائم ہونے لگیں گی اور بات کھری کہا کرو اور اپنے گھروں کے اندر قرار سے رہا کرو اور زمانہ جاہلیت قدیم کی طرح اپنا بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو اور نمازوں کی پابندی رکھو اور زکات دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور

يتلىٰ في بيوتكن من آيات الله والحكمة ان الله كان لطيفاً خبيراً (احزاب)	اللہ کو یہ منظور ہے کہ اے نبی کے گھر والو کہ تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تمہیں خوب پاک صاف رکھے اور عنایات الٰہی اور ہمیں علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بیشک اللہ راز دار ہے اور پورا خبردار ہے۔

"اہل البیت" کے لغوی معنی میں گو وسعت و تعمیم ہو لیکن یہاں جس سیاق میں یہ لفظ آیا ہے اس سے کھلی ہوئی مراد ازواج مطہرات ہی ہیں۔ یہ آیت اور جو آیت اس کے ماقبل تلاوت ہو چکی ہے دونوں کے ملانے سے تین امور پوری طرح روشنی میں آ جاتے ہیں۔

اول یہ کہ۔ قانون شریعت جو ساری اُمت کے لئے تھا وہی ان پاک بیویوں کے لئے بھی تھا۔ یہ نہ تھا کہ شرف زوجیت رسولؐ کی بنا پر یہ شریعت کی کسی دفعہ سے مستثنیٰ ہو جائیں۔ یا یہ کہ تعمیل احکام سے کسی درجہ میں بھی معاف ہو جائیں۔ یہ استثنا، اور یہ معافی جب خود حضرات انبیاء کی ذات تک کے لئے نہ تھی تو ان کے ازواج و اولاد کے لئے کیونکر ہو سکتی تھی۔

دوسرے یہ کہ پاکبازی اور طہارت نفس کا معیار ان پاک بیویوں کے لئے کچھ اور بڑھا کر رکھا گیا۔

تیسری بات یہ کہ گھروں کے اندر رہنے اور بلا ضرورت باہر چل پھر کرنے سے باز رہنے کی تاکید ان کے لئے ہوئی۔

سب ہی بیوی صاحبوں کو اس کی اجازت دیدی تھی کہ دنیا کی خوشحالی کی اگر بہار دیکھنا چاہتی ہو تو میں تم کو ہنسی خوشی اپنے سے الگ کر دینے کو تیار ہوں اور اس اجازت و رعایت سے فائدہ کسی ایک نے بھی نہ اٹھایا۔ تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اُن سب کی زندگی تقوی و طہارت کے کس بلند مرتبہ پر تھی ———— اور پھر ایک بات اور بطور رشاخ رشاخ کے یہ بھی نکل آئی کہ آپس میں سارے طبعی اختلاف کے باوجود جب مال دنیا سے بے رغبتی اور نفع اخروی کی طرف رغبت ان سب میں مشترک رہی تو یہ نتیجہ صرف زوجیت رسولؐ ہی کا ہو سکتا ہے اور اس سے خود رسولؐ کی نظر کیمیا اثر پر بھی پوری روشنی پڑ جاتی ہے۔

اب ذرا ایک اور زاویے سے آیت پر نظر کیجئے تو یہ حقیقت بھی فاش ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ رسول اللہؐ کی خانگی معیشت بہت سادہ اور معمولی تنگی کی تھی جس کے لئے خوشحالی کا حوصلہ اور امنگ رکھنے والی ہر عورت کو پیٹ کاٹ کر ہی رہنا ہوتا تھا۔

ازواج کے تعدد کی شہادت میں ایک آیت کچھ دیر پہلے سامعین با تمکین کے علم میں آچکی ہے سورۂ تحریم کی وہی آیت ایک بار پھر حسن معاشرت کے پہلو سے ملاحظہ ہو۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل	اے نبی آپ اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے
اللہ لک تبتغی مرضات	اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہیں
ازواجک (التحریم ع ۱)	جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔

اس دلجوئی کا کچھ ٹھکانا ہے! بیوی صاحبوں کی دلجوئی رسول اللہؐ کو

اس درجہ ملحوظ رہتی کہ کبھی اس پابندی کی طرف سے بندش عائد کرنے کی ضرورت پڑ جاتی! یہ وہ معاندین ہیں جنھوں نے رسول اللہ کی لطیف و نرم، دلآویز شخصیت کو ایک سخت گیر، درشت اور خشک مزاج انسان کی حیثیت سے پیش کرنا چاہا ہے! نبی کسی رفیق زندگی کی خاطر کسی مادی لذت سے تمتع نہ کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیتا، بجائے خود معصیت کسی درجہ میں بھی نہیں، پھر بھی صاحب شریعت کے درجہ سے فروتر تھا اس لئے تنبیہ فرما دی گئی کہ پیمبر کا کسی نعمت دنیوی مستقل طور پر دست بردار ہو جانا عملاً اس کے حرام کر لینے ہی کے حکم میں داخل ہے۔

اس آیت کے معاً بعد کی تین آیتیں اسی سلسلہ بیان سے متعلق اور ہیں اور تینوں بڑی معنی خیز۔ پہلی آیت ہے۔

واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نباھا بہ قالت من انباک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر (ایضاً)	(اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہو) جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے کوئی بات چپکے سے فرمائی۔ اور وہ بات اُن بیوی نے (کسی اور بیوی) کو بتا دی۔ اور اللہ نے نبی کو اس کی خبر کر دی۔ تو نبی نے اس کا کچھ حصہ جتلا دیا۔ اور اور کچھ کو ٹال گئے پھر جب نبی نے ان بی بی کو وہ بات جتلا دی تو وہ بولیں۔ کہ آپ کو کس نے اس کی خبر کر دی؟ آپ نے کہا کہ مجھے خبر دی بڑے علم، رکھنے والے ہر خبر رکھنے والے نے

جس قصہ کی جانب اشارہ اس آیت میں ہے۔ اس کا ماحصل حدیث و

سیر کی کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی کسی زوجِ مبارک سے کوئی بات مصلحتاً رازدارانہ فرمائی تھی۔ ان صاحبہ نے وہ بات دوسری صاحبہ تک پہنچا دی۔ اور اس کی اطلاع آپؐ کو وحیٔ الٰہی سے ہوگئی۔ اس پر آپ نے ان پہلی بیوی صاحبہ سے راز شکنی کی شکایت کی۔ لیکن اس وقت بھی پوری بات نہ دہرائی۔ کہ اس سے ان کو شرمندگی اور زیادہ ہوتی۔ بس صرف اتنا فرمایا کہ تم نے ہماری آپس کی بات دوسری تک بلا اجازت کیوں پہنچائی؟ قرآن مجید کوئی بات بلا مقصد نہیں بیان کرتا۔ اس تمامتر خانگی قصہ کے سنے آنے سے سبق ایک نہیں کئی کئی نکلتے ہیں۔

چنانچہ پہلی بات تو یہی نکلی کہ آپؐ کی معیشتی اور خانگی زندگی جنت کی نہیں اسی خاکی دنیا کی زندگی تھی۔ جو نوعِ بشری کے ہر ہر فرد کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی تھی۔ پیچیدگیاں اس میں وہی پیش آتی تھیں۔ جو ہر انسان کو اپنی ازدواجی زندگی میں پیش آسکتی ہیں۔ اور علاوہ ملکی انتظامات اور اجتماعی معاملات میں اُمت کی رہنمائی و پیشوائی کے آپؐ کو خانگی معیشت کے مرحلوں سے گزرنا تھا کہ بغیر اس کے اسوۂ حسنہ کے کامل و جامع ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ علیٰ ہذا بیوی صاحبان کی فطرت بھی اعلیٰ سے اعلیٰ تربیت و تزکیۂ نفس کے باوجود بشری ہی تھی۔

دوسرا سبق یہ ملا کہ حسن معاشرت و معیشت گویا آپؐ پر ختم تھا عین ناگواری کے وقت بھی رفق و ملاطفت کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پایا۔ اور ولدہی و دلجوئی کے تقاضوں سے اشتعال کے وقت بھی ذہن کو غفلت نہ ہوئی۔

تیسرا پہلو یہ ملاحظہ ہو کہ زبان سے یہ نہ ارشاد ہوا کہ خبر مجھے کیوں نہ ہو جاتی
بسبب نہ اپنی فراست کو پیش فرمایا نہ اپنے کشف و اشراق کو۔ فرمایا تو ایک
عبد کامل کی طرح یہ فرمایا کہ اسی خدائے علیم و خبیر نے مجھے خبر پہنچا دی۔ ضمناً
اس حکیمانہ طرز جواب سے بیوی صاحبہ کی توبہ و رجوع کی توقع بھی زیادہ پیدا ہو گئی۔
متصل آیت میں خطاب ان دونوں بیوی صاحبوں سے ہے جن سے آپ
کے قلب کو وقتی اذیت پہنچی تھی۔

إن تتوبا إلى الله فقد صغت	اے دونوں بیویو اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو
قلوبكما وإن تظاهرا عليه فإن الله	تو تمہارے دل تو اس طرف مائل ہو ہی رہے ہیں
هو مولاه وجبريل وصالح	اور اگر تم نبی کے مقابلے میں کارروائیاں کرتی
المؤمنين والملائكة بعد ذلك	رہیں تو نبی کا رفیق تو اللہ ہے اور جبریل ہیں
ظهير (ایضاً)	اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں۔

آیت کے سلسلہ میں یہ تفسیری نکتہ ذہن نشین رہے کہ بیوی صاحبوں میں سے
ہر ایک کا یہ خیال کہ آپ کا دل دوسروں کے بجائے خود انہیں کی طرف رہے۔
ایک امر طبعی تھا جس پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جب اس کا محرک اور منشا رسول
کی حب شوہر تھا جب تو کوئی دور کی بھی قباحت اس میں باقی نہیں رہتی۔
لیکن اس کے ساتھ اس کا دوسرا پہلو دوسروں کے حقوق کا اتلاف بھی تھا۔
اس سے توبہ کرانا ان کے حق میں ضروری قرار پا گیا۔
آیت سے حیات مبارک کے اس پہلو پر بھی روشنی پڑ گئی کہ جس کی تائید و
نصرت پر اللہ تعالیٰ خود موجود ہو اور اس کے فرشتے اور صالحین امت بھی

ایسے کسی کی سازش نقصان ہی کیا پہنچا سکتی ہے!

قصہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے تیسری مفصل آیت بھی ملاحظہ ہو۔

عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجاً خیراً منکن مسلمات مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات ثیبات وابکاراً (ایضاً)

اور اگر نبیؐ تمہیں طلاق دیدیں ان کا پروردگار تمہارے عوض تم سے بہتر بیبیاں انہیں دیدے گا اسلام والیاں، ایمان والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں شوہر دیدہ بھی اور کنواریاں بھی۔

اس سے پہلی تعلیم تو یہ ملی کہ ایسی اکمل و مکمل شخصیت رکھنے والے کو موجودہ بیویوں کی محتاجی ہی کیا ہو سکتی ہے۔ وہ جب چاہے ان کو طلاق دیدے۔ اللہ اس کے لئے بہترین ازواج کا خود انتظام فرما دے گا۔ جو اپنے صفات و سیرت کے لحاظ سے ہر طرح اس کی زوجیت کی اہل ہوں گی ــــــ اہلیت کے جزو اسی آیت میں گنا بھی دئیے ہیں۔

اور اس حقیقت کے ساتھ جب یہ مقدمہ بھی ملا لیجئے۔ کہ طلاق کی نوبت کسی ایک کے لئے بھی نہ آئی۔ تو نتیجہ کھلا ہوا نکلتا ہے کہ ساری ہی ازواج مطہرات اس معیار اہلیت پر پوری اتریں اور اس پر قائم رہیں۔ گویا ازواج مطہرات کے مرتبۂ صحت و عظمت پر مہر شہادت خود قرآن مجید نے ثبت کر دی۔

جن بیوی صاحبہ کی طرف اشارہ آیۂ کریمہ میں بعض ازواجہ کے تحت میں آیا ہے، حدیث و سیرت کی کتابوں میں ان کا نام حفصہؓ بنت عمر الخطاب آیا ہے۔ اور جن دوسری بیوی سے وہ راز کی بات کہی گئی تھی ان سے مراد

حضرت عائشہ صدیقہؓ لی گئی ہیں۔

اس ساری تفصیل سے روشنی نہ صرف اس سادہ حقیقت پر پڑ گئی کہ آپؐ کے ازواج مبارک متعدد تھیں جیسا کہ اکثر انبیاء سابقین کا دستور رہا ہے۔ بلکہ اہلبیت کی فطری بشری کمزوریاں، اور اسکے باوجود اُن کا اعلا معیار کردار، اور ان کے ساتھ حضورؐ کا حسن معاشرت۔ یہ سب بھی روشنی میں آ گئے۔

یہ بیوی صاحبان اس منزلت و مرتبت کے بعد قدرتاً اس کی مستحق اور زیادہ ٹھہریں کہ ساری امت کی مائیں قرار پائیں چنانچہ ارشاد ہوا۔

وازواجہ اُمھاتھم	اور ان (رسول) کی بیویاں مومنین کی
(الاحزاب ع ۱)	مائیں ہیں۔

اور جب یہ امت بھر کی مائیں ٹھہر گئیں تو یہ نتیجہ خود بخود لازم آ گیا کہ ان کے ساتھ اُمت کے کسی مرد کا نکاح بھی حضورؐ صلعم کے بعد جائز نہ ہوگا لیکن مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر علاوہ اس عموی نتیجہ کے، اس کی ہدایت اُمت کو براہ راست مخاطب کر کے بھی فرما دی گئی۔

وما کان لکم ان توذوا رسول اللّٰہ	اور تمھارے لئے درست نہیں کہ تم رسول اللہ
ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً	کو اذیت پہونچاؤ اور نہ یہ کہ اُن کے بعد کبھی
ان ذالکم کان عند اللّٰہ عظیماً	بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔ اللہ کے
(الاحزاب ع ۷)	نزدیک یہ بڑی بھاری بات ہے۔

اور رسولؐ کی عین حیات بھی یہ ادب و قاعدہ اُمت پر اُن محترم بیوی صاحبان

کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا — جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر

فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ — سے مانگا کرو یہ بات ایک عمدہ ذریعہ ہے تمہارے

اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (ایضاً) — دلوں اور ان کے دلوں کو پاک رکھنے کا۔

ازواج مطہرات کے ساتھ رسول اللہ کی صاحبزادیاں (بصیغۂ جمع) بھی

تھیں جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ارشاد ہوا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ — اے نبی کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور اپنی

وَبَنٰتِكَ (الاحزاب ع ۴) — بیٹیوں سے۔

بنات یعنی دو سے زائد صاحبزادیوں کا وجود تو اسی سے ثابت ہی ہو گیا

اب دوبارہ یہ آیت سنئے کہ جس سے معلوم ہوگا کہ حجاب ہی کے سلسلہ میں ایک

اور قانون اُمہات مومنین اور رسول کی صاحبزادیوں کے لئے تھا، اور وہ

اُمت کی ہر خاتون تک وسیع کر دیا گیا۔ ارشاد ہوا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ — اے نبی اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں

وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ — سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے

عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔ — بھی کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں تھوڑی

(ایضاً) — سی نیچی کر لیا کریں۔

یہ اپنے اوپر اپنی چادریں نیچی کرنے کا حکم وہی ہے جسے ہمارے ملک میں اور

ہماری زبان میں گھونگھٹ نکال لینا کہتے ہیں۔

ازدواجی زندگی کے دائرے میں آپ کے لئے قدرتاً بعض خصوصی مصلحتیں

اور رعایتیں تھیں جو عام افراد امت کو حاصل نہ تھیں چنانچہ ایک ارشاد یہ تھا کہ

يا ايها النبى انا احللنا لك
ازواجك التى آتيت اجورهن وما ملكت
يمينك مما افاء الله عليك وبنات
عمك وبنات عماتك وبنات خالك
وبنات خالاتك التى هاجرن معك
وامراة مومنة ان وهبت نفسها
للنبى ان اراد النبى ان يستنكحها خالصة
لك من دون المومنين
(الاحزاب ع ۶)

لے نبی ہم نے آپ کے لئے یہ بیویاں حلال کی ہیں
جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں اور وہ
عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنہیں اللہ
نے آپ کو غنیمت میں دلوایا ہے، اور آپ کے
چچا کی بیٹیاں۔ اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں
اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے
ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومنہ بھی جو اپنے
کو (بلا عوض) نبی کو دیدے بشرطیکہ نبی بھی
اس کو نکاح میں لانا چاہیں یہ حکم مخصوص ہے
آپ کے لئے بخلاف (عام) مومنین کے۔

احکام سے قطع نظر آیت کے الفاظ سے رسول اللہ کے خاندان کے کتنے افراد کا وجود بھی ثابت ہو گیا۔ آپ کے چچا اور ماموں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور پھر ان میں سے ہر ایک کی بیٹیاں۔ ان سب کے وجود کی شہادت تو آیہ کریمہ سے مل ہی گئی —— رہیں آپ کے منصب خصوصی اور مرتبۂ امتیازی کے لحاظ سے آپ کے لئے جو رعایتیں تو انہیں کے سلسلہ میں آیت کا یہ حکم بھی سن لیا جائے۔ کہ ازواج کے درمیان شب باشی یا باری کی بھی پابندی آپ پر نہ تھی۔

ترجی من تشاء منهن وتؤوی
الیک من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت

آپ ان بیویوں میں جس کو چاہیں اپنے سے
دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں

فلا جناح علیک ذلک ادنیٰ ان تقر اعینھن ولا یحزن ویرضین بما اٰتیتھن کلھن واللہ یعلم ما فی قلوبکم وکان اللہ علیما حلیما (زنیفا)

اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا، ان میں سے کسی کو پھر طلب کر لیں جب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں اس انتظام میں زیادہ توقع ہے اس کی کہ ان (بیویوں) کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور وہ آزردہ نہ ہوں گی اور اس پر راضی رہیں گی جو کچھ آپ ان کو دیدیں، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حلیم و دانا ہے

بیان رسول اللہؐ کے لئے ازدواجی زحمتوں اور رعایتوں کا ہو رہا تھا لیکن ضمناً اس آیت سے یہ مضمون بھی نکل آیا کہ خود بارگاہ الٰہی میں ان محترم خواتین کی خاطر کتنی عزیز تھی! ___ وسط آیت کے الفاظ پہلے اگر رواروی میں پوری طرح خیال میں نہ رہے ہوں تو اب دوبارہ انہیں مستحضر کر لیا جائے۔ ذلک ادنیٰ ان تقر اعینھن ولا یحزن۔ یہ انتظامات اس لئے کہ اس سے ان محترمات کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور انہیں آزردگی نہ پیدا ہونے پائے! اللہ اللہ کس درجہ اہتمام ہے رسولؐ ہی نہیں ان کے حرم محترم کی بھی دلجوئی کا ہو! اور اس صورت حال کا لازمی نتیجہ تو ہونا ہی تھا کہ ویرضین بما اٰتیتھن کلھن یہ سب راضی رہتی گی اس پر آپ انہیں جو کچھ دیدیں۔

لیکن یہ نہ خیال کر لیا جائے کہ رسولؐ کے ساتھ ازدواجی زندگی میں سب رعایتیں اور رعایتیں ہی تھیں نہیں۔ بلکہ جہاں ایک طرف یہ گنجائشیں تھیں وہیں دوسری طرف خصوصی پابندیاں بھی تھیں۔ چنانچہ آپؐ کے لئے جائز نہ رہا کہ نزول آیت

کے وقت جو ازواج مطہرات موجود تھیں انہیں بدل کر کسی اور عقد میں لے آئیں یا کوئی اور نیا عقد فرمائیں۔

لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن الا ما ملکت یمینک (الاحزاب ع ۶)	آپ کے لئے ان عورتوں کے بعد کوئی اور عورت جائز نہیں اور نہ یہ جائز کہ ان بیویوں کے بجائے دوسری کر لیں چاہے آپ کو ان کا حسن بھلا ہی لگے مگر ان کنیزوں کے جو آپ کی باندیاں ہیں۔

انسان بہرحال آپؐ بھی تھے تمام بشری جذبات و میلانات کے ساتھ اس لئے کسی حسین صورت کی طرف میلان طبع ہو جانا ذرا بھی عبدیت و رسالت کے منافی نہیں۔ اور فطرت بشری کے عین مطابق ہے۔ لیکن اس طبعی تقاضا پر عمل کر دینے سے آپ کو بالکل روک دیا گیا۔ اور جو آزادی ساری امت کے لئے تھی وہ آپ کی ذات کے لئے باقی نہ رہی۔

افترا پردازوں اور بدنفسوں سے دنیا کا کوئی بھی ماحول خالی نہیں خواہ اپنی عمومی حیثیت سے وہ کیسا ہی پاکیزہ و بلند ہو۔ رسول اللہؐ کی ازدواجی زندگی میں بھی ایک ایسا سخت و ناخوشگوار موقع پیش آگیا جس نے بعد کو امت والوں اور امت والیوں کے لئے بڑی سے بڑی بدنامی کے بوجھ کو بھی اٹھا لینا آسان کر دیا۔ ہوا یہ کہ چند شر پسند منافقوں نے حضورؐ کی محبوب ترین زوجہ مبارک حضرت عائشہؓ پر ان کے ایک تنہا سفر کو آڑ بنا کر بغیر کسی عینی یا سمعی شہادت کے بھی محض وہم و بدگمانی کو کام میں لا کر ایک بڑا گندہ الزام تراش دیا۔ اور اکا دکا سادہ لوح مسلمان بھی اس طوفان بے تمیزی میں ان کی دیکھا دیکھی شریک ہو گئے۔ الزام تھا اس نوعیت کا کہ حضورؐ اور تو خیر غیرت مجسم

ہی تھی کہ دنیا کا کوئی غیرت مند شوہر برداشت نہ کر سکتا۔ قرآن نے اس واقعہ کا نام ہی افک یعنی بہتان یا طوفان رکھ دیا ہے۔ اور اسکو تشریح ہی عذاب سے کیا ہے۔

إن الذين جاءوا بالإفك عصبة منكم لا تحسبوه شرا لكم بل هو خير لكم لكل امرئ منهم ما اكتسب من الإثم والذي تولى كبره منهم له عذاب عظيم (النور ع ۲)	جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کر رکھا ہے وہ تم میں کا ایک گروہ ہے۔ تم اس چیز کو اپنے حق میں برا مت سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کے لئے وہی وبال ہے جتنا گناہ اس نے کیا تھا اور اس میں جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لئے عذاب بھی بڑا ہے۔

یوں ہی کسی مومنہ کی عزت و آبرو پر حملہ کرنا کیا کم تھا چہ جائیکہ اس کا ہدف مومنات صالحات کی سردار عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی خاتون کو بننا پڑا ہو۔ ویسے بدنظر افترا پردازوں کے سروں پر تو ہر عذاب آکر ٹوٹ جاتا۔ مومنین کی یہ سادہ لوحی بھی قابل گرفت ٹھہری کہ ایسے کھلے ہوئے بہتان کو سنتے ہی اس کی کھلی ہوئی تردید کیوں نہ کر دی۔

لولا إذ سمعتموه ظن المؤمنون والمؤمنات بأنفسهم خيرا وقالوا هذا إفك مبين	جب تم لوگوں نے یہ چرچا سنا تھا تو مومنین و مومنات نے اپنے والوں سے گمان نیک کیوں نہ رکھا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے۔

ایسے بہتان کو سن کر اس کے متعلق شک و تذبذب میں پڑ جانا اور بے خیالی میں مشغلے کے طور پر اس کا ایک دوسرے سے چرچا کرتے رہنا یہ سب ایک صالح معاشرے کے لئے سخت قابل مواخذہ تھا۔

ولولا فضل الله عليكم ورحمته	اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا

فی الدنیا والآخرۃ لمسکم فی ما افضتم فیہ عذاب عظیم اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم ما لیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھیناً وھو عند اللہ عظیم (النور)

دنیا میں اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑ گئے تھے اس پر تم پر عذاب سخت آ پڑتا جبکہ یہ وہ وقت تھا جب تم اپنی زبانوں سے اسے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکال رہے تھے جس کی تم کو مطلق تحقیق نہ تھی اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی۔

تاکید و اہتمام کے ساتھ دوبارہ ارشاد ہوا ہے۔

ولولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم (ایضاً)

اور جس وقت تم نے یہ سنا تھا تو اسی وقت کیوں نہ بول اٹھے کہ ہماری مجال نہیں جو ایسی بات زبان سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو ایک عظیم بہتان ہے۔

ان آیات کو اور واقعہ سے متعلق ان تفصیلی و جزئی احکام و عتاب کو پڑھ کر اندازہ کیجیے کہ قرآن مجید کے نازل کرنے والے کو اپنے رسولؐ ہی کا نہیں رسولؐ کے گھر والوں کا بھی احترام کس درجہ ملحوظ تھا۔ اور یہیں سے ان نادان معاندین کی بات کا بھی جواب نکل آتا ہے جنھوں نے اعتراضاً کہا ہے کہ قرآن جیسی کتاب ہدایت کو آخر پیغمبر کی ذاتی خانگی زندگی کے جزئیات سے کیا واسطہ تھا۔ معترض بیچارہ۔ ع

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

اسے کیا خبر کہ محمد عربیؐ کی زندگی ایک شخص اور ایک ذات کی تھی ہی کب؟

یہ زندگی تو سارے عالم کے لئے نمونہ اور مثال تھی۔ ہر ملک ہر قوم، ہر زمانہ کے افراد و اشخاص کے لئے سبق اس کے اندر موجود ہیں اور بشری زندگی میں جتنے بھی کوئی مرحلے طبعی اور عمومی طور پر پیش آسکتے ہیں سب سے اس ذات اقدس کا گزر قصداً کرایا گیا تھا۔ تاکہ وہ آفاق گیر نمونہ کا کام دے۔ اور ایک ایک فرد بشر اپنے ظرف کے لحاظ سے اس سے استفادہ کر سکے۔ تو سوال اب یہ نہ کیجئے۔ کہ اتنی تفصیلات قرآن مجید میں کیوں بیان ہوئیں۔ بلکہ اگر کیجئے، تو یہ کہ بیان ان سے زائد تفصیلات کا کیوں نہ ہوا؟

لاولدی عرب میں بھی اکثر جاہلی قوموں کی طرح ایک بڑا عیب سمجھی جاتی تھی۔ اور معاندین نے آپ پر اس سلسلے میں آوازے کسنے شروع بھی کردئے تھے قرآن مجید نے اس کے جواب میں زور کے ساتھ کہا۔

ان شانئک ھو الابتر (الکوثر) | بے نشان رہ جانے والا تو آپ کا معاند ہی ہے۔

یعنی بے اولاد رہ جانے والے تو آپ نہیں۔ آپ کے دشمن ہی ہیں۔ اور لفظ کے کوثر وغیرہ سے قطع نظر، ایک اور بھی علم اس سے یہ حاصل ہوا کہ رسول اللہؐ صاحب اولاد تھے۔ اور آپ کا صاحب اولاد ہونا منکروں معاندوں کے مشاہدہ میں آ رہا۔ لیکن ساتھ ہی قرآن نے یہ بھی سنا دیا ہے

ما کان محمد ابا احد من رجالکم (الاحزاب ع ۵) | محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔

اس سے حضورؐ کی بالغ اولاد نرینہ کی نفی ہو گئی اور اہل سیر کا بیان بھی یہی ہے کہ

حضورؐ کے صاحبزادوں میں سے کوئی بھی عہدِ شیر خوارگی سے آگے نہ بڑھا اور چونکہ لڑکی
صاحبزادے نہ تھے تو اولاد میں بجز صاحبزادیوں کے اور رہ کون جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید
میں صراحت کے ساتھ حضورؐ کی بنات (صاحبزادیوں) کا ذکر آیا ہے اور وہ آیت
ابھی چند منٹ پہلے آپ کے سامنے پیش ہو بھی چکی۔ اور دوسری جگہ بنات کے بجائے
نساء کا لفظ آیا ہے وہ حوالہ بھی آپ کی سماعت میں آچکا اور اہلِ سیر کے اس بیان
سے تو سب ہی واقف ہوں گے کہ حضورؐ کی چار صاحبزادیوں میں سے ایک کا سلسلۂ
نسل ماشاء اللہ خوب پھیلا اور بڑا بابرکت ثابت ہوا۔

اختتامیہ

خطباتِ سیرت ختم ہو گئے مقدمہ یا افتتاحیہ میں جو کچھ عرض کرنا تھا وہ سب
اختتامیہ میں عرض کر رہا ہوں۔ ان تقریروں کی تیاری کا جس وقت حکم ملا تھا، ذہن ناتجربہ کاری
کی بنا پر مدت کافی ہی نہیں بلکہ اچھی خاصی معلوم ہوئی تھی۔ لیکن جب کام شروع کر دیا
اور قرآن مجید کا مطالعہ اس خاص مقصد سے بغور شروع کیا، تو نظر آیا کہ معلومات
کا ایک دریا ابلتا ہوا اور اصلاً تو ایک سمندر ہے اور اس سمندر کو سمیٹ کر ایک مختصر
محدود مدت کے اندر کوزے میں بند کرنا مجھ جیسے نااہل فرد کی حدِ استطاعت سے باہر
ہے۔ سوا چھ یا ساڑھے چھ ہزار قرآنی آیتوں میں سے اگر نصف نہیں تو ایک ثلث تو
بہرحال ایسی ہیں کہ جن سے سیرتِ نبویؐ کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی ضرور پڑتی ہے
اب پچھتایا کہ مہلت اور مزید کیوں نہ مانگ لی لیکن وقت اب پچھتانے کا بھی

(۲) قدیم کتابوں میں اس اعتبار سے نمبر دوم پر قاضی عیاض مالکی (جن کا سال وفات ۵۴۴ھ ہجری ہے) کی مشہور کتاب الشفا بہ تعریف حقوق المصطفےٰ ہے۔ اس مصنف نے فضائل، خصائل و خصائص نبوی میں بھی آیات قرآنی سے اچھا خاصہ استشہاد کیا ہے۔

(۳) دور جدید کی کتابوں میں بلحاظ افادیت (جیسا کہ اور بھی متعدد وجہات سے) نامور ترین کتاب شبلی و سلیمان کی ضخیم سیرۃ النبی ہے، کہ بعض حصوں میں خصوصاً جزء آخرین مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے آیات قرآنی سے استناد و استدلال کا اہتمام خصوصی رکھا گیا ہے۔

(۴) ترتیب زمانی کے لحاظ سے اس سے بھی مقدم کتاب مولانا عبدالشکور لکھنوی[1] مدظلہ کی کتاب مختصر سیرت نبویہ ہے جس کا پورا نام سیرۃ الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع ہے کتاب مختصر ہے یعنی ۲۰×۲۶ تقطیع پر کل ۴۴ صفحوں کی، بحث کی ہے پھر بھی بہت کام کی ہے یہ مولانا کی ابتدائی کتابوں میں سے ہے اور ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء کی چھپی ہوئی ہے۔ اردو میں بلکہ میری محدود نظر میں تو عربی میں بھی اس خصوصی موضوع پر تو یہی ایک کتاب ہے اور یہی وصف یکتائی مصنف کے فخر و امتیاز کے لئے کافی ہے کاش یہی کتاب اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد چھپتی! اب بھی نہیں تو یہ کہیں ضخیم ہو کر نکلتی بلکہ ان خامیوں اور فروگذاشتوں سے بھی پاک ہوتی جو نو عمری اور نومشقی میں ہر [illegible] کی ہیں۔

۱؎ افسوس ہے کہ مولانا ۱۳۸۱ھ میں وفات پا گئے۔

(۵) ان سب کے علاوہ ابھی چند سال ہوئے ۱۹۵۱ء میں ایک کتاب مختصر سیرت قرآنیہ کے عنوان سے ایک الہ آبادی ایم اے مقیم دہلی کے نام سے نکلی ہے اس کے نام سے بڑی توقعات قائم ہوتی ہیں۔ لیکن پڑھ کر اسی درجہ میں مایوسی بھی ہوتی ہے یہ ایک بہت ہی تنگ و محدود بلکہ غلط نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ اور آیات قرآنی کو جس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے اس سے ہر صاحب ایمان اور ہر طالب علم کا ذوق پامال کرتا ہے۔

بہر حال ایک عالم و کامل سے نہیں ایک طالب علم اور ناقص سے ایک قلیل مدت کے اندر جو کچھ ممکن تھا خلق وخالق دونوں کے رو برو پیش کر دیا گیا۔ وہ مولائے لطیف وکریم اگر اسے اپنے حسن قبول سے کسی ادنیٰ درجہ میں بھی نوازدے اور اجر میں اس سلسلہ مقالات کے بانی اور ساعی[1] اور سامعین سب کو شریک کرلے تو اس کی بندہ نوازی سے ذرا بھی بعید نہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] خصوصاً فضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق کرنولی مرحوم ومغفور۔ اور فنڈ کی بانی خاتون محترمہ کو

(جنوری ۱۹۵۸ء)

SIDDIQI HOUSE, AL-MANZAR APARTMENTS
458, GARDEN EAST, KARACHI-74800 G.P.O. Box No. 609
Phones : 7224291 - 7224292 Fax : 7736400 - 7228823